دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد الحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور

فہرست مضامین
ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ تا شوال ۱۳۹۹ھ **جلد چہار دہم ۱۴** اکتوبر ۱۹۷۸ء تا ستمبر ۱۹۷۹ء

چودھویں جلد کے مضامین کی یہ فہرست موضوعات کے لحاظ سے ان سلسلہ وار صفحات کے حوالہ سے دی گئی ہے جو ہر صفحہ کے نیچے لکھے ہوتے ہیں، سات سو ساٹھ ۷۶۰ صفحات پر مشتمل اس جلد کی یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوا لیجئے۔ (سمیع الحق)

نقش آغاز (اداریہ) ـــــــ سمیع الحق

قرآنیات

دعوات عبدیت حق ـــــــ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

تصوف وسلوک

اسلامی نظام حکومت، قوانین، فقہ اسلامی

رد فرق باطلہ - قادیانیت - شیعیت، ذکری فرقہ

مذہب - سائنس اور جغرافیہ

تہذیب مغرب - اسلام - بحث وتحقیق

تاریخ

نصاب ونظام تعلیم۔علم وعمل۔تعلیمی ادارے۔علماء۔مدارس عربیہ

شخصیات

اسلامی معاشرت وعبادت

لسانیات ۔ ادب وصحافت

اقتصادیات

منظوم ادبیات

تبرکات و عکس تبرکات (مشاہیر کے خطوط)

کتابیات ۔ تبصرہ و تعارف کتب

دارالعلوم حقانیہ کے شب و روز

اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

فون نمبر دارالعلوم ـــ ۴ | قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار | فون نمبر رہائش ـــ ۲

جلد نمبر : ۱۴
شمارہ نمبر : ۱۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

شوال المکرم ۱۳۹۹ھ
ستمبر ۱۹۷۹ء

مدیر سمیع الحق

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ بیس روپے فی پرچہ دو روپے
بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ
بیرون ملک ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس، پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

علمِ دینی و علمِ دنیوی کا موازنہ

ارشادات حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ
رکن اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان

خدا کی نگاہ میں حقیقی علم کونسا ہے؟

فضیلت علم دین پر حضرت علامہ شمس الحق افغانی کا یہ نہایت عالمانہ خطاب کافی عرصہ ہوا دارالعلوم حقانیہ میں طلبہ واساتذہ دارالعلوم کے مجمع میں ہوا تھا جسے احقر نے قلمبند کرنے کی سعی کی، پھر مسودہ نظروں سے غائب رہا اور حسنِ اتفاق سے کاغذوں کے ڈھیر میں سے نکل آیا۔ اب مدارس عربیہ کے تعلیمی سال کے آغاز ماہ شوال کی مناسبت سے اسے قارئین الحق کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے ۔

۔۔۔سمیع الحق۔۔۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم - قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون ۔

حضرات! مجھے اس وقت طلبہ نے دو رقعے دیئے ہیں۔ ایک میں یہ ہے کہ علم کی فضیلت بیان کردں دوسرے میں یہ کہ آیت ختم اللہ کی تحقیق ہو۔ ان چیزوں کی تفصیل کے لئے فرصت درکار ہے۔ پھر ان سب کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی شخصیت موجود ہے۔ مگر صرف اتنا ہے کہ ہر نئے آدمی کی بات سننے کی خواہش ہوتی ہے۔

تقدیر کا مسئلہ تقدیر کا مسئلہ واضح ہے، صرف اسلام کے ساتھ خاص نہیں، اگر کوئی شخص خدا کا منکر ہو تب بھی تقدیر کا مسئلہ ماننے پر مجبور ہوگا۔ میں نے ایک کتاب میں یورپ اور امریکہ کے ۱۰ فلاسفر کے ایسے اقوال ذکر کئے ہیں جو جبر پر محض جیسی تقدیر مانتے ہیں تو تقدیر کا بیان صرف مولوی کا ذمہ نہیں اور خالص اسلامی نہیں بلکہ یہ مسئلہ عقلی بھی ہے۔ بلحاظ اسلام بلحاظ فلسفہ اور عقل بھی اس کا بیان ضروری ہے۔ انشاءاللہ دوسرے موقع پر اس کا بیان ہوگا۔

اس دورِ ظلمات میں آپ کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے ۹۹ فیصد دنیا محبت مال میں مصروف ہے طلب دین عموماً ترک ہوچکا ہے بلکہ طلبۂ دین کے ساتھ تمسخر ہوتا ہے۔ اور یہ دور حاضر کی تخصیص نہیں۔ دنیا پرستوں نے

ہمیشہ سے علماء وطلباءِ دین کی تضحیک کی ہے۔ منافقین نے صاف کہا:

انؤمن کما آمن السفہاء۔ ہم ایسا ایمان لائیں جیساکہ بے وقوف لاتے ہیں۔

تو عہد نبوت کے منافق صحابہؓ کو بے وقوف کہا کرتے مگر خدا کی فہرست میں وہ اعقل العقلاء ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے: اولئک اعمقھم علماً وایماناً۔ صحابہؓ تمام لوگوں میں زیادہ عقلمند اور سمجھدار تھے۔

الغرض یہ چودہ سو سال کا پرانا طعنہ ہے بلکہ اس سے بھی پرانا جو دنیا پرست اور عشاق مال نے دینداروں کو دیا۔ ایسے لوگوں کو جن کو اللہ نے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا تمغہ دیا جو دنیا وما فیہا سے بہتر تمغہ ہے اور کروڑوں اربوں پر نہیں مل سکتا ـــــ تو الحمد للہ کہ اس جماعت علماء کے ساتھ وہ معاملہ ہو رہا ہے جو صحابۂ رسول سے ہوا۔

فضیلت علم کا نہایت اہتمام سے اعلان | اس آیت میں علمِ دین کی فضیلت اس سادہ اور موثر انداز میں بیان ہوتی ہے کہ کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا اگر صدر ایوب سے کروڑوں اربوں زیادہ قوت واقتدار رکھنے والا خالق ومالک کوئی بات کہہ دے تو اس کے ماننے کے لئے سرے سے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ لوگ بلا دلیل اُسے دل پر نقش کریں گے۔ مگر یہ مضمون اہم تھا اس لئے بڑی اہمیت سے اس کا اعلان بھی کروایا گیا حکومت بعض کاموں کا پہلے سے اعلان نہیں کرتی مگر بعض کاموں کا قبل از وقت اعلان کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ون یونٹ یا منگلا اور تربیلہ کی اسکیم کا پہلے سے اعلان ہوا کہ حکومت کی نظر میں یہ چیزیں بڑی اہم تھیں۔ تو دو قسم کے امور ہوتے ہیں:

۱۔ امورِ اعلانیہ ۲۔ غیر اعلانیہ

پہلی قسم کے امور دوسرے سے بہت اہم ہوتے ہیں۔ پھر قرآن کی ایک اصطلاح ہے کہ اہم مباحث کے آغاز میں لفظ قل ہوتا ہے کہ اے رسول یہ اعلان کر دے تو جن مضامین کا آغاز "قل" سے ہو تو وہ مملکت کے اہم ترین مقاصد اور مہمات مسائل میں سے ہوں گے کہ پیغمبر کی زبان سے اس کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ تو ان آیات میں بھی فرمایا گیا اے پیغمبر اعلان کر دو کہ کیا عالم اور غیر عالم برابر ہیں۔؟ قطعاً نہیں۔

۱۔ تو پہلا نکتہ یہ ہوا کہ علم کی فضیلت اہم عند اللہ ہے۔ ۲۔ دوسرا نکتہ قرآن کا عمومی انداز ہے کہ بعض مقامات پر نفس مضمون امر یا نہی ہوتا ہے اس کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوتی یعنی احکام دو قسم کے ہوتے ہیں توبیخی اور غیر توبیخی۔ توبیخی احکام میں حکم کے بیان کی مخالفت کرنے والے کی سرزنش ہوتی ہے تاکہ وہ عمل کیلئے آمادہ ہو تو اس آیت میں قل کے بعد لفظ ھل ہے۔ جو استفہام انکاری توبیخی ہے۔ یعنی ایسے لوگ ہرگز ہرگز برابر نہیں ہوسکتے اور جو برابر سمجھیں گے وہ قہرِ خداوندی کے حقدار ہیں کہ علم کی فضیلت اللہ کے ہاں نہایت مؤکد ومحکم مضمون ہے۔

۳۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ علماء بیان کا کہنا ہے کہ الکنایۃ ابلغ من الصریح ۔ اور یہاں علم اصول کا کنایۃ مراد ہے علم بیان کا نہیں ۔ تو ایک مضمون کنایۃ میں بیان کرنا زیادہ بلاغت رکھتا ہے تو خدا نے دریافت کیا کہ "کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتا ہے ؟ تو استفہام کی شکل میں مساوات کی تو نفی کر دی ۔ اب اس کے بعد دو صورتیں ہو سکتی ہیں کہ یا تو عالم غیر عالم سے بڑھ کر ہو یا غیر عالم سے اونچا ہو مثلاً کہا جائے کہ زیدٌ و عمرٌ لا یستویان ۔ زید اور عمر برابر نہیں ہیں تو یا زید زیادہ ہو گا یا عمر اسی طرح ہو سکتا تھا کہ لا یعلمون ۔ یعلمون پر سبقت لے جاتے مگر ایسا ہونا خدا کے نزدیک بداہت سے انکار تھا ۔ اور یک ایسا امر تھا کہ کوئی دو ٹانگوں والا انسان جو انسانی کھوپڑی رکھتا ہو اس میں جزء لا یتجزیٰ جتنا عقل بھی ہو جاہل کو غیر جاہل سے بہتر نہیں سمجھے گا ۔ تو قرآن کریم نے اس مسئلہ کے بدیہی ہونے کے لئے کنایۃ کا انداز اختیار فرمایا کہ عالم کو غیر عالم پر فضیلت صرف قرآن کے نزدیک نہیں بلکہ عقل کا بھی تقاضا ہے تو جس میں عقل ہو وہ ایسا ہی سمجھے گا ۔ اس لئے وہ خود تصریح نہیں کرتا کہ یہ چیز تو مخاطب کو خود متحقق ہے ۔ تو گویا یہ مضمون تعبیر عام کی شکل میں ایسا بیان ہوا جیسے کہا جائے کہ الواحد نصف الاثنین ۔ (ایک دو کا آدھا ہوتا ہے) یا مثلاً دو دونے چار (۲ × ۲ = ۴) آج ایسا بدیہی مسئلہ نظریات بن چکا ہے ۔

۴۔ چوتھا نکتہ یہ ہے کہ آیت میں یعلمون اور لا یعلمون کا معقول ذکر نہیں ہوا حالانکہ فعل متعدی ہے تو وہ چیز کیا ہے جو پہچانی جاتے یا نہ پہچانی جائے ؟ تو مفعول کے حذف ہونے میں بھی علماء کا بیان ہے کہ اس بداہت کا اظہار مقصود ہے ۔ کہ وہ چیز تو سب کو معلوم اور مسلّم ہے کہ یعلمون الدین والذین لا یعلمون الدین ۔ (جو دین کو پہچانتے یا نہ پہچانتے ہوں ۔) تو آیت میں علماء دین کی فوقیت ہے جمیع اولاد آدم پر اور گویا اس کے لئے تو مفعول خود بخود متعین ہے ۔

پھر قرآن خود اپنی تفسیر کرتا رہتا ہے ۔ القرآن یفسّر بعضہٗ بعضاً ۔ تو خدا نے سورۃ روم میں علم کی تفسیر بھی خود فرما دی ۔ روم قدیم اصطلاح میں سارے یورپ کا نام تھا ، اب صرف اٹلی ہے ۔

علم حقیقی کیا ہے ؟

اب ان کو لا یعلمون کیسے کہا گیا ، حالانکہ وہ ایٹم بم ، ہائیڈروجن بم بنا رہے ہیں ، چاند کی تسخیر کی مگر پھر بھی لا یعلمون کہا گیا تو تعجب کی بات ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ ترقی کریں گے چودہ سو سالہ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کو کف دست کی طرح حاصل تھا ۔ تو پھر بھی لکن اکثر الناس لا یعلمون ۔ فرمایا تو آگے اس کی تشریح بھی کر دی اور تصریح کر دی کہ ؛ یعلمون ظاہراً من الحیوۃ الدنیا وھم عن الآخرۃ غافلون ۔ دنیا کا ظاہر تو جانتے ہیں مگر زندگی کے مغز اور روح سے بے خبر ہیں ۔ تو دنیا کے علم کو علم نہیں کہا جا پھر ظاہری علم کے باوجود خدا نے لا یعلمون کہہ کر بتلا دیا کہ اللہ کی نظر میں علم کا مفہوم متعین ہے ۔ کہ دین ہی اور حقیقت کا علم ہی اللہ کی نظر میں علم ہے ۔ اور اللہ کی نگاہ میں ظاہری علم کالعدم ہے وجودہ کالعدم

۴۔ معلومات کاملہ و ناقصہ | اور معلومات دو قسم ہیں ناقص اور کامل ہر ناقص معلوم کامل معلوم کے مقابلہ میں صفر ہے۔ دنیا کے سارے علوم ایک کھوپڑی میں جمع نہیں ہو سکتے کہ ڈاکٹری انجینئری۔ ایگریکلچرل سب میں کامل ہو تو دنیا کے سارے علوم کا ثمرہ اور نتیجہ ـــ دنیا ـــ ہے۔ اور دنیا کا کل کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا کہ سارے عالم کی ڈگریوں کے بدلے سارا کرۂ ارضی اس کو دے دیا جائے اور اسکی تنخواہ دس لاکھ ہو پھر بھی یہ دنیا کا کل نہیں جزو ہے دنیا تو بڑی وسیع ہے اس وقت دنیا کی آبادی ۳ ارب ہے، ساری دنیا ان سب پر تقسیم ہے تو یہ شخص ضلع صوبہ گاؤں کا امیر بن جائے تو بھی ایک جزء حقیر کا مالک ہے اور اگر کل دنیا کا مالک بھی بن جائے تو خدا نے کل دنیا کو بھی ـــــ

متاع الدنیا قلیل ـــ کہا ہے کہ متاع دنیا بہت تھوڑی ہے۔ اور علم دین کا بدلہ آخرت اور جنت ہے۔ فللّٰہ الآخرۃ والاولیٰ ـــ وہی دونوں جہانوں کا مالک ہے۔ اب ان دونوں میں قیمتی کونسا ہے؟ تو ایک کو تو ـــ متاع الدنیا قلیل ـــ کہا گیا اور عالم آخرت کے بارہ میں فرمایا:

اذا رأیت ثم رأیت نعیمًا وملکًا کبیرًا جب آپ آخرت کی زندگی دیکھیں تو ایک عظیم ملک کبیر اور نعمتیں دیکھو گے۔

جنت کے بارہ میں مولانا محمد قاسم کا مقولہ | مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ایک مقولہ یاد آتا ہے کسی نے پوچھا مولانا جنت کی زندگی کیسی ہے؟ فرمایا چھوٹی خدائی ہے ـــ خدا کسے کہتے ہیں: فعالٌ مایشاء ویحکم مایرید کو کہتے ہیں کہ جو چاہے ہو جائے اور جو ارادہ ہو اسے نافذ کر سکے اور دنیا میں امریکہ روس وغیرہ کسی کے بس میں نہیں۔ کہ جو دل میں چاہے وہ ہو جائے ویٹ نام کو شکست دینا چاہتا ہے ہوتا نہیں ـــ اور وہاں قرآن کہتا ہے۔ ولکم فیہا ما تشتہی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون۔ وہاں جو تمہارا دل چاہے گا ملے گا اور جو بھی زبان پر آجائے وہ بھی ملے گا اور تمہارا دل اور عقل تو ناقص ہے تو جو بھولا ہو اور پھر کسی وقت یاد آجائے جب بھی جی چاہے مل جائے گا۔ اور یہاں جو چاہا کہ ایک سیکنڈ زندگی بڑھ جائے آدم سے لیکر اب تک ایک سیکنڈ تک کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا اور اگر شبہ ہو کہ دل تو خواہشات ناجائز بھی چاہے گا۔ تو یہ نفس ـــ بعد العذاب یا قبل العذاب نفس مطمئنہ بن جائے گا وہ آخرت اور جنت کا معاملہ ہے وہاں پاک نفوس ہوں گے، نفس پاک خواہش پاک یہاں تو نفس امارہ بالسوء اور لوامہ ہے وہاں مطمئنہ ہو گا۔

نزلًا من غفور الرحیم سب کے سب اللہ کے مہمان ہوں گے۔ مفسرین دو نکتے بیان کرتے ہیں کہ جو نعمت استعمال کریں گے وہ عظمت اور بلندی کی آخری سرحد تک ہو گی، دوسرا یہ کہ اگر کسی کا بہت زیادہ مال ہو مگر مہمان نہ ہو تو مہمان کے مقابلہ میں اس کو کم راحت ہوتی ہے۔ صبح نوکر سے سامان بازار سے منگوائے گا۔ گوشت لاؤ چاول لاؤ برتن کا نظم کرو۔ باورچی سے پکواؤ، دردِ سر سے فارغ نہیں ہو گا۔ مگر مہمان کے ذمہ کچھ بھی

دردِ سر نہیں، اب اگر میزبان بھی بادشاہ اور احکم الحاکمین ہو تو پھر انتظام کا ذرا بھی دردِ سر نہیں مہمان کے ذمہ کچھ نظم نہیں، پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے کہ تیار آئے گا۔

جنّت کا لب لباب | اور رسالہ قشیریہ میں امام ابوالقاسم قشیری فرماتے ہیں کہ لب لباب اس زندگی کا یہ ہے کہ غنی لا فقر، وشبابٌ لاھرمٌ وصحتۃ لا مرض وحیات لاموت ___ چار مثبت چیزیں چار منفی ہیں (غنی ہے فقر نہیں جوانی ہے بڑھاپا نہیں صحت ہے بیماری نہیں زندگی ہے موت نہیں) تو یہ دینی علوم اور دینی تعلیم کا صلہ اور ثمرہ ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا دنیوی علوم کی ڈگریوں کا اتنا اور ایسا انعام مل سکتا ہے اس لیے علمِ دین کا فائدہ اکمل اور علمِ دنیاوی کا ثمرہ ___ النقص ___ ہے۔ اور تنزیل الناقص بمنزلۃ المعدوم عام قاعدہ ناقص کو معدوم ہی سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی بھنگی کو عالم نہیں کہتا حالانکہ علم بمعنی دانستن اس کو حاصل ہے۔ صفائی کا علم اسکو ہے کہ کیسے جھاڑو مارنا ہے کہاں پھینکنا ہے۔ کچھ فہم وفراست تو اس کو حاصل ہے۔ پاگل تو خاکروب نہیں ہو سکتا، اسی طرح موچی کو عالم نہیں کہہ سکتے۔ اسے بھی علم حاصل ہے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اور سی ایس پی کو بھی دنیا کی نوکری ملتی ہے مگر اوّل الذکر دونوں کو وہ بھی عالم نہیں کہہ سکتے وہ سمجھتے ہیں کہ اونچا فائدہ ہو تو وہ علم ہوگا تو گویا پی ایچ ڈی والوں نے بھی مان لیا کہ النقص کو عالم نہیں کہیں گے۔ ایک آیت بھی قرآن ہے اور کل بھی قرآن ہے۔ مگر ایک آدمی سے پوچھا جائے کہ آپ کے گاؤں میں کتنے حافظ ہیں۔ وہ صرف ان کا ذکر کرے گا جس نے مکمل قرآن یاد کیا ہو حالانکہ ایک پارہ والا بھی حافظ ہے۔ اور شرعاً ان پر قرآن کے حافظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ مگر کل کے مقابلہ میں ناقص صفر ہے۔ اس لئے خدا نے دنیا کے علم کا نام تک نہ لیا کہ اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔

فرمایا: هل یستوی الذی یعلمون ـ الدین ___ والذین لایعلمون (الدین) ___ جب اس کے مقابلہ میں دنیا کا علم صفر ہے تو اس کے نام لینے کی کیا ضرورت ہے۔

۵۔ خدا کے ہاں معیارِ فضیلت | آج بعض نسب کو سب کچھ سمجھتے ہیں بعض دولت کو بعض مال کو بعض حکومت اور اقتدار کو تو خدا نے فضیلت کا معیار نہ نسب بنایا نہ مال نہ حکومت نہ دولت بلکہ معیار صرف علمِ دین ہے۔ اگر وہ حاصل ہو تو اس سے کوئی برابر نہیں ہو سکے گا خواہ سارے روئے زمین کا بادشاہ کیوں نہ ہو ورنہ خدا نے نیت میں استثناء کیا ہوتا کہ ___ سوی الامراء والحکام ___ یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے۔ اس کا ظہور برزخ میں اور آخرت میں ہوگا۔

پھر جو بھی علماء کی فضیلت کا انکار کرتا ہے وہ اگرچہ دو پاؤں رکھتا ہے مگر درحقیقت وہ چارپایوں کیطرح ہے۔ مجنون ہے پاگل ہے۔ شکل سے انسان مگر درحقیقت حیوان ہے۔

تذکرہ اولوالالباب کے تین نکتے | اس لیے کہ پھر فرمایا: انّما یتذکر اولوالالباب۔ اس میں تین نکتے

معاً بیان ہوتے ا۔ انما حصر کا کلمہ ہے کہ اس مضمون کو خاندان عقل ہی سمجھتے ہیں لفظ انما کہا کہ جو عالم کو تمام دنیا والوں پہ برتر سمجھے وہی اولوالالباب ہے ورنہ وہ عقل سے عاری اور بے وقوف ہے اور ان کے حصر کا یہی تقاضا ہے کہ تذکّر ہو تو عقل ہے نہ ہو تو عقل نہیں۔ ۲۔ بظاہر مناسب یہی تھا کہ انما یعلمہ کہا جاتا مگر علم کا لفظ نہیں کہا بلکہ قرآن نے تعبیر تذکّر سے کیا اور یہ کئی آیتوں میں ہے۔

—— تو محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو ازل میں کہا تھا۔ الست بربکم۔ ؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو سارے دین کا لب لباب۔ میثاق الست میں جمع ہے۔ میثاق ازل کل صفات ربوبیت اور کل احکام تشریعی اور تکوینی کو جامع ہے اور یہ اقرار ربوبیت اقرار دین ہے، تو دین کا اقرار عالم ارواح میں لیا گیا اور ابوہریرۃ کی روایت ہے مسلم و بخاری میں ہے کہ —— کل مولود یولد علی الفطرۃ —— ہر بچہ اپنی فطرت صحیحہ پہ پیدا ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دین کے جو اصول ہیں وہ ہر انسان کی رگ رگ میں فطرۃً پیوست ہیں یہ صرف حدیث سے نہیں قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا۔ میرے مقالہ" اسلام دین فطرت ہے" میں یہ مضمون مکمل بیان ہے۔

تو تذکّر کا معنی یادداشت ہے۔ بھولی ہوئی بات کو دوبارہ یاد کرنا۔ فذکّر ان نفعت الذکریٰ۔ قرآن کو ذی الذکر کہا —— والقرآن ذی الذکر۔ تو معلوم ہوا کہ علماء اور انبیاء کا بیان کرنا پڑھانا نہیں بلکہ یاد دلانا ہے پرانی بات کا۔ تو اس لئے تذکر کہا علم نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن نئی چیز کو فطرت پہ نہیں ٹھونستا۔ وہ چیزیں جو انسان کی فطرت میں ڈالے گئے ہیں انہیں یاد دلاتا ہے۔ انما یتذکر اولوالالباب۔ بات نئی نہیں بلکہ پرانی بات ہے۔ اُسے یاد رکھنا عقلمند کا کام ہے۔ یہ بات بھی نئی نہیں کہ عالم کا درجہ افضل ہے قرآن قدیم فطرت پر استقامت کی تلقین کرتا ہے تو عالم کا غیر عالم پر افضلیت ایک فطری چیز ہے۔ قرآن نے صرف اسے یاد دلایا ہے۔

۳۔ عقل خالص پھر اولوالالباب کہا۔ اولوالعقول، اولوالنفوس، اولوالافکار نہیں کہا۔ تو "لب" عربی میں مغز کو کہتے ہیں مگر قرآن کی اصطلاح میں —— العقل الخالص عن مداخلۃ الوھم والشھوۃ —— وہم اور شہوت اندازی کے دخل سے جو عقل پاک ہو اُسے عقل کہا جائے گا۔ تو یورپ والے اولوالعقول تو شاید ہوں گو میرے نزدیک یہ بھی محل نظر ہے۔ مگر اولوالالباب ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی ساری عقل خواہش نفس کے ماتحت ہے۔ اور الباب میں حریت عقل کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ وہم اور شہوت کی بندشوں سے آزاد عقل عقل ہے۔ جو ایسا نہیں تو وہ عقلمند نہیں تو اب جس کا فیصلہ اس کے خلاف ہو تو وہ اللہ کے ہاں عقل والا نہیں۔ اور اگر وہ اس دعوے کا ابطال کرے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابطال اسکی وجہ سے ہے۔ دلیل نہیں بن سکتا۔

اللہ کی نظروں میں عزت کا نئی ہے | میں جب ریاست قلات میں وزیر معارف تھا تو ایک بھنگی جس کا نام ہلم کلمہ

تھا۔ تو ایک دفعہ ایک عالم نے مجھے کہا کہ لوگ ہمیں حقیر سمجھتے ہیں میں نے پوچھا کہ خالق ۔؟ تو کہا کہ اس کے ہاں تو عزت ہے ۔ اور آیت یرفع اللہ الذین آمنوا والذین اوتوا العلم درجات تلاوت کی تو میں نے کہا کہ خالق اور خلق میں کتنا فرق ہے۔ کہا بے حد ۔ میں نے کہا کہ رام کلہ (بھنگی) اور لیاقت علی خان (اس وقت کے وزیر اعظم) کے درمیان جو فرق ہے اس سے تو زیادہ فرق ہے۔ کہا کہ لامحدود فرق ہے۔ اور یہ دونوں تو حیوان ناطق اور انسانیت میں شریک ہیں اور خداوند تعالیٰ تو ساری کائنات سے برتر ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان تو کوئی اشتراک ہے ہی نہیں۔ تو میں نے کہا کہ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ اس وقت کے وزیر خزانہ غلام محمد کی قدر و عزت لیاقت علی خان کے دل میں ہے ۔ اور اس بھنگی رام کلہ کے دل میں بالکل نہیں۔ وہ وزیر خزانہ کو کچھ نہ سمجھے مگر لیاقت علی کے ہاں اسکی قدر ہے ، تو کیا رام کلہ کی بے قدری سے غلام محمد پر اس کا اثر پڑے گا۔؟ بالکل نہیں رام کلہ جیسے ہزاروں لوگ اُسے معزز نہ سمجھیں تو کیا ہو گیا۔

—— تو اللہ رب العالمین کے ہاں اگر کوئی معزز ہے ۔ تو ایسے ہزاروں رام کلے اگر مولوی کو حقیر سمجھیں تو کیا اثر ہو سکتا ہے ۔؟

وراثت نبوت علامہ ابن عبد اللہ کی کتاب العلم میں آیت : ثم اورثنا ھا ۔ کے ذیل میں کلام کیا ہے وراثت نبوت پر —— مثلاً ایک شخص بدون الایام المنھیہ مسلسل روزے رکھے اور اوقات مکروہہ کے علاوہ ہر وقت نماز پڑھے کفاف اور قوت لایموت کے علاوہ سب کچھ اس کی راہ میں لگا دے تو پھر بھی اُسے وارث الانبیاء نہیں کہہ سکتے۔ وارث کا درجہ اسسٹنٹ کا ہے ، اور پیغمبر کا درجہ صدر کا ہے ۔ وارث نبی کا نائب ہوا۔ اگر ایک شخص سارے کرۂ ارضی کا مالک ہو اور بادشاہ ہو مگر عالم نہ ہو تو وہ وارث نبی نہیں ، خدا کے بعد نبی کا درجہ ہے اور پیغمبر کے بعد باجماع قرون ثلثہ و کتاب و سنت علماء دین کا عہدہ ہے ۔

اتنا ارادہ نہیں تھا مگر حضرت تھانویؒ کے ایک فقرہ پر تقریر ختم کروں گا۔ دیکھئے ہم انگریزی تعلیم کے خلاف نہیں ہیں۔ یہ ایک غلط الزام ہے علماء پر مگر اس تعلیم سے لگی ہوئی خرابیوں کے خلاف ہیں۔ انگریزی تعلیم سے جو غلط افکار و عقائد اور عمل کے جو نقصانات آتے ہیں اس کے خلاف ہیں۔

دنیوی علوم کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے فتاویٰ عزیزیہ اور مولانا عبد الحیؒ نے مجموعۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ انگریزی زبان اور ہر زبان اور علم کی تحصیل جائز ہے ۔ اور ہر قسم کا کسب زراعت وغیرہ سیکھنا تو بتصریح امام غزالیؒ کما فی احیاء العلوم فرض کفایہ ہے۔ موچی ، درزی کا کسب بھی فرض کفایہ ہے۔ اگر سب اسے ترک کر دیں تو جوتے کہاں سے کپڑے کہاں سے روٹی وغیرہ کہاں سے ملے ؟

تو دنیاوی علوم مصنوعات تو کیا ہوں اسلام میں فرض کفایہ ہیں مگر اس انگریزی کے مفاسد اور تباہیوں کے خلاف ہیں۔ مولانا تھانویؒ سے کسی نے کہا کہ بچے کو کالج میں داخل کرتا ہوں۔ فرمایا کالج میں یا فالج میں ۔ تو جسطرح فالج بدن

کی حرارت اور خون کو خشک کر دیتا ہے ۔ تو یہ کالج بھی ایمان کی حرارت کو خشک کر دیتے ہیں ۔ علامہ اقبالؒ نے سچ کہا کہ علماء نے قربانیاں دیں ۔ مرزا غلام احمد کا دعویٰ نبوت کروڑوں مسلمانوں کے سینہ پر ایٹم بم کیطرح گرا ۔ غریب کسانوں نے جان قربان کر دی مگر انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ عموماً ٹس سے مس نہ ہُوا بلکہ مرزائی افسر کو سلام و خوشامد کرتا رہا اور مولوی کو تنگ ظرف کہتا رہا ۔ پھر اس شخص نے کہا کہ اسلامیہ کالج میں داخل کر دوں ۔ فرمایا نہیں ہندو کالج میں ! اور کچھ عرصہ بعد آیا تو کہا کہ میرا بیٹا علی گڑھ کالج میں دہری تھا اور دوسرے کالج میں داخل ہُوا تو اس کا عقیدہ درست ہو گیا اور پکا نمازی بن گیا اب ان کے مشورے پر سمجھا کہ اس میں کیا حکمت تھی ۔ ؟ کہ وہاں اسلامی نام تھا ۔ سب مسلمان تھے یہاں ہندو سے سابقہ پڑا تو ہندو جتنا باطل پر مضبوط ہُوا اسکی اسلامی غیرت اسے اتنا ہی حق کی مدافعت اور حق پر مداومت پر مجبور کرتی رہی ۔

ریل کے سیکنڈ کلاس میں عموماً چھ سیٹ ہوتے ہیں ۔ ہندو دور میں عموماً آدھے سیٹوں والے نماز پڑھنے تھے اب ایسے ڈبوں میں عموماً میں اکیلا نماز پڑھتا ہوں ، پانچ بے نمازی ہوتے ہیں ۔ اس لئے کہ پاکستان حاصل ہُوا اور اب ہندو سے مقابلہ نہیں ۔ ؎

وبضدھا تتبین الاشیاء — وبذیھم وبھم عرفنا فضلھم

تو علم دین حاصل کرو تو تعلیم بھی مفت اور سب کچھ مفت ۔

اہل علم پر اللہ کے دنیوی احسانات یہاں دارالعلوم حقانیہ میں آکر پڑھو تو روٹی مفت استاذ مفت کتاب مفت ۔ کچھ خرچ نہ ہو گا ۔ فوج نے بھی دارالعلوم حقانیہ کی سند کو تسلیم کر دیا ۔ تو معلوم ہُوا کہ عالم دین بننے پر آٹھ آنے نہیں لگتے اور علم دنیا پر اوسطاً آٹھ ہزار روپے ماں باپ بی ۔ اے کروانے پر لگا دیتے ہیں ۔ پھر تمہارے علم کا نفع یقینی ہے ۔ کہ اسکی سند خدا نے قرآن و سنت میں جنت دی ہے ، گویا خدا سے تم نے رجسٹری لکھوالی ۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ ۔ الآیۃ ۔ اور فرمایا کہ :
وعداً علیہ حقاً فی التوراۃ والانجیل ۔ یہ عہد ہے خدا کا پھر جب دوران علم میں مرا تو شہید ہو گیا ۔ اور زندہ رہ کر عالم بنا تو وارث انبیاء ہُوا اور دنیا کی تعلیم میں ان سب کا کوئی امید نہیں ۔ دوران تعلیم مرا تو دنیا و آخرت دونوں ضائع ہو گئے اور زندہ رہا تو پھر بھی ضروری نہیں کہ ڈگری بھی ہے ۔ پھر ملازمت بھی متعین نہیں ۔

علماء کی غیبی کفالت اگر علماء کو عموماً کوئی نہ کوئی مشغلہ مل جاتا ہے ، عالم ہے خطیب ہے مدرس ہے امام ہے ۔ کوئی واعظ ہے ، مبلغ ہے ۔ تو کوئی ملا بیکار نہیں فضلاء مدارس کتنے بے کار ہیں ۔ ؟ اور انگریزی خوان کتنے بے کار ہیں ۔ فہرست بناؤ تو انگریزی والے ستر فیصد ہوں گے اور علماء و فضلاء پانچ فیصد ہوں گے ۔ اس میں غیبی ہاتھ ہے ۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام میں دست غیب بھی تھا ۔ خدا کی مرضی تھی ۔ تو سارا ملک خلاف تھا ، مگر خدا نے بنوا دیا ۔ مولانا

محمد قاسم نے بنوایا تو مولانا یعقوبؒ نے کہا کہ اچھا کیا مدرسہ تو بنایا گیا مگر انہیں کھانا کہاں سے ملے گا۔ فرمایا صبح جواب دوں گا صبح کہا کہ میں نے مراقبہ کیا تو معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں جس نے بھی علم حاصل کیا اور اس کی شاخوں مثلاً دارالعلوم حقانیہ وغیرہ بھی حضرت کا مراد مسلک کے سارے مدرسے تھے اور اس کے مطابق عمل بھی کیا۔ تو اللہ نے اس کے ضروری رزق اور باعزت طور پر گذر اوقات کی ذمہ داری لے لی۔ اور ہم نے تو اس کا ذاتی تجربہ کیا میرے آباء و اجداد کی حالت یہ تھی کہ ان کے بارہ گاؤں سید احمد شہید کے جہاد میں چلے گئے احمد شاہ کی دستاویز موجود ہیں۔ میرا جو تھوڑا سا حصہ تھا وہ میں نے بیچ دیا اور حج کے لیے روانہ ہوا کسی نے کہا حاجی بن گئے اب کون سے گھوڑے میں ہو گے گھر ایسا کہ رشتہ داروں کے لحاظ سے عدم کے برابر تھا وہ حالت تھی اور پھر عمر بھر ملازمت کی درخواست نہیں کی ملازمت آ گر کہتی ہے کہ مجھے قبول کر دو اور خدا نے ایسی وجاہت دی گیارہ سال مسلسل چار ریاستوں کی وزارت کی انتظام بہترین طریقہ سے کہ خیال بھی نہ تھا۔ پھر استعفاء دیدیا۔ اور دینی جوش میں کہ ون یونٹ سے پہلے میرا فیصلہ شرعی ہوتا تھا کسی کو اس پر رٹ کا حق نہ تھا اور جب رٹ کا حق دیا گیا تو ہم نے چھوڑ دیا اور اب پھر ملازمت پر مجبور کر دیا گیا۔ (غالباً بہاولپور یونیورسٹی میں تھے۔) اور دو ہزار ماہوار مقرر کر دیئے۔

آپ کے مولانا (شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ) آپ کے سامنے ہیں ان کی جو باعزت زندگی اور گذران ہے کسی گورنر کی ایسی نہیں۔ دیوبند میں اور قلات میں جمعہ کی رات اتنے طلبہ آجاتے کہ کچھ خدمت کریں اور قلباً اس خدمت کو جنت کا ذریعہ سمجھتے اور یہاں یہ سینکڑوں جو ہیں اور تمہیں حضرت شیخ الحدیث صاحب سے جو اخلاص و محبت ہے وہ صدر ایوب کو حاصل نہیں وہ تعلق اغراض پر مبنی ہے، لالچ پر ہے، اس طرح اور حضرات دیوبند کی زندگی اور عزت کا حال ہے۔

— تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ انگریزی خوان بی۔ اے ہو گیا تو لمبا اوقات صرف اپنا خرچ کیا ہوا پیسہ واپس کر دیگا ورنہ کچھ نہیں اور علم دین کے علم قلیل کا بھی اثر ہے کہا کیسے فرمایا کہ قلیل وہ ہے جو ایک گھنٹہ میں سیکھا جا سکے۔ اگر ایک شخص غبی ہو تو پھر بھی ایک گھنٹہ میں اذان سیکھ لے گا۔ سیکھ لیا، چلو مؤذن ہو گیا اور روٹی چل پڑی۔ بی۔ اے چودہ سال تعلیم حاصل کرے گا۔ پھر ملازمت بمشکل ملے گی تب تنخواہ جاری ہو گی اور مؤذن نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نعرہ بلند کیا۔ اور روٹی جاری ہو گئی۔

بہر حال لوگ جب علم دین کی توہین کریں گے اس وقت علم دین کے حصول کی قدر و عظمت بڑھے گی اور جب قدر و عزت ہو لوگوں میں، تو اخلاص میں فرق آجائے گا یعنی رضائے الٰہی کی طلب میں ریا و عجب کی آمیزش ہو تو اخلاص اور اجر میں فرق آجائے گا اور جب لوگوں میں بغض اور تحقیر ہو تو ایسے دور میں تحصیل علم کی عنداللہ اجر قدر کے زمانے کے سوا افراد کے برابر ہو گا کہ قدر نہیں پھر بھی زندگی وقف کر لی۔

طالب العلم کا جذبۂ حصول علم | حضرت شاہ عبدالعزیز دہلی میں جب درس دیتے بارش کا موسم تھا شدید بارش - ایک دفعہ ایک طالب العلم جو پانچ چھ میل سے آتا تھا نہ آیا۔ حضرت شاہ صاحب نے انتظار کیا، درس ملتوی کر دیا کہ نہیں وہ ضرور آئے گا۔ کچھ دیر بعد طالب العلم کتاب گھڑے میں ڈالے ہوئے سر پہ گھڑا الٹا رکھ کر آیا کہ کتاب بارش سے بھیگ نہ جائے۔ اسی طرح پھر واپس ہ میل جاتا۔ شاہ صاحب کے فارغ ہونے کے بعد کہا کہ حضرت میرا نہ آنا دو وجہوں سے ہوگا یا تو موت اور یا قرب الی الموت۔ آہ! انگریزی تعلیم کے اثرات نے یہ جذبۂ علم بھی ختم کر دیا۔

دینی طالب کی ذہانت کا موازنہ | شاہ عالم اس مدرسہ کی امداد کرتا تھا۔ انگریز ریذیڈنٹ اس مدرسے کے خلاف تھا۔ اس نے شاہ عالم سے ایک بار پوچھا کہ اس مدرسہ کے ساتھ کیوں امداد کرتے ہو تو شاہ عالم نے جواب دیا کہ اس لئے کہ لوگ دینی علم سیکھیں۔ پوچھا کیوں۔؟ تو جواب دیا کہ اس لئے علم دین سیکھ کر عقلمند بن جائے گا تو ایسی رعیت کا تجھے بھی فائدہ ہوگا۔ کہا کہ یہ طالب دین عقلمند ہوتا ہے۔ کہا ہاں تو اس نے امتحان لینا چاہا۔ تو انگریزی تعلیم کے کسی پروفیسر کو بلا کر پوچھا کہ اس شاہی تالاب میں کتنے پیالے پانی ہوگا۔ تین ایسے آدمی بلائے اور پوچھا تو سب نے جواب دیا کہ اس کا کیا اندازہ لگ سکتا ہے۔؟ پھر عربی مدرسہ کے کسی طالب العلم کو بلایا پھٹے پرانے بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس راستہ میں گذرتے ہوئے ایک طالب العلم کو بلایا پوچھا کہاں جا رہے ہو کہا شاہ عبدالعزیزؒ کے مدرسہ میں اور مجھے جانے دو کہ میرا سبق ناغہ ہو رہا ہے بمشکل بلایا کہ شاہ صاحب پھر مجھے پڑھا دیں گے۔ پھر انگریز نے پوچھا کہا کہ میں مدرسہ عزیزیہ کا طالب العلم ہوں کہا اس تالاب میں کتنا پانی ہوگا اس نے فوراً جواب دیا کہ اگر پیالہ اس حوض کے برابر ہو تو ایک پیالہ اگر اس کے نصف ہو تو دو پیالے اگر اس کے چوتھائی ہو تو چار پیالے اسطرح حساب لگاتے جاؤ یہ ہے دینی طالب العلم کی ذہانت۔

—— تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی عمر بھی دراز کر دے اور مجھے بھی صحت دے ہم دونوں ایک ہی مرض میں مبتلا ہیں۔ دنیا کی خواہش نہیں صرف یہی ہے کہ خدا دین کی خدمت کی توفیق دے کہ اس امانت کا کچھ حق ادا کر سکیں، یہ دارالعلوم سارے مغربی پاکستان کا روح رواں ہے۔ اور اسکی زندگی اسلام کی زندگی ہے اور پھر اس کا وجود پٹھانوں میں تو اور بھی عجیب ہے خدا اسکی حفاظت کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
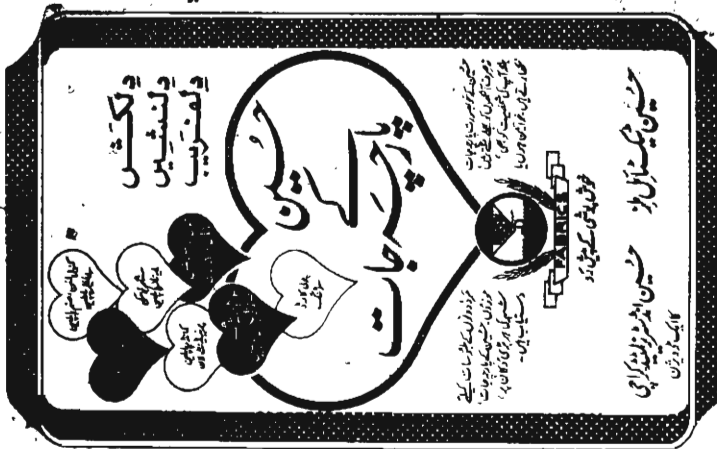
صافی
سے خون صاف،
چہرہ شاداب
صافی
SAFI
کو درست کرتی ہے۔
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان
کراچی۔ لاہور۔ راولپنڈی۔ پشاور

ادارہ

وفیات

دعائے مغفرت کے مستحق رفتگانِ علم و فضل

● یکم ستمبر کو لاہور میں علمی اور تدریسی دنیا کی جانی پہچانی شخصیت حضرت علامہ مولانا شریف اللہ جانؒ کا انتقال ہوا۔ مرحوم بقیۃ السلف اور جامع المعقول والمنقول علماء میں سے تھے تقسیم ہند سے قبل مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی اور مدرسہ امینیہ دہلی اور تقسیم کے بعد لاہور کے مختلف مدارس بالآخر جامعہ مدنیہ لاہور میں اعلیٰ انتہائی کتب پڑھاتے رہے مرحوم برصغیر کے کئی علماء کے استاد تھے تلامذہ میں عصر حاضر کی بعض معروف شخصیتیں بھی شامل ہیں۔ مرحوم کے کمالات کا شہرہ بچپن سے اپنے استاد حضرت مولانا عبدالغفور سواتی مرحوم صدر مدرس دارالعلوم حقانیہ سے سنا جو دہلی میں مولانا مرحوم کے ہم عصر اساتذہ میں سے تھے۔ حق تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ عطا فرمادے۔

● رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں صوبہ سرحد کے ایک ممتاز عالم حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بانی دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی نے طویل علالت کے بعد انتقال فرمایا دارالعلوم نعمانیہ کی شکل میں آپ کی زندگی دینی علوم کے ترویج و فروغ میں گذری یہ مدرسہ صوبہ سرحد کے قدیم مدارس میں سے ہے۔ مرحوم کی وفات سے علاقہ ایک معمر اور قدیم روایات کے حامل بزرگ سے محروم ہوگیا۔ ادارۂ الحق اور دارالعلوم حقانیہ مرحوم کے تمام متعلقین بالخصوص فرزندِ جانشین مولانا روح اللہ صاحب کے ساتھ تعزیت میں شریک ہے۔

● یکم جولائی بعد از مغرب ٹلہ ضلع جہلم میں حضرت مولانا فضل محمد نقشبندی مجددیؒ نے بعمر ۷۰ سال انتقال فرمایا۔ موصوف نے نامساعد حالات میں دینی علوم کی تحصیل کی تکمیل مولانا سید امیر صاحب کوردھوی تلمیذ حضرت مفتی کفایت اللہ مرحوم سے فرمائی تصوف وسلوک مراحل سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں سید حبیب شاہؒ اور بعد میں حضرت مولانا عبدالمالک صدیقیؒ سے طے کئے اور خلافت پر فائز ہوئے دینی علمی سماجی و ملی کاموں میں پیش پیش رہے۔ شاہ جیؒ اور ان کی مجلس احرار سے والہانہ تعلق رہا ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں قید و بند کی سعادت بھی نصیب ہوئی بدعات و رسومات کے رد میں پیش پیش رہے۔ دارالعلوم حقانیہ کے لئے تعاون و امداد میں دلالۃ علی الخیر کرتے رہے۔ حق تعالیٰ ان تمام خدمات کا صلہ اب دارالقرار میں عطا فرمادے۔

● ضلع کوہاٹ کے ممتاز عالم، مدرس اور مفتی مولانا محمد یوسف صاحب کا بعمر ۸۰ سال موضع بہادر خیل میں انتقال ہوگیا مرحوم فاضل دیوبند تھے ساری زندگی دینی علوم کی تدریس مختلف مدارس میں تمام رہتے رہے مرحوم کے رفع درجات کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (مقیم لندن)
(سابق مدیر الفرقان، لکھنؤ، بھارت)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا سفر برطانیہ، اور قیام کے دس دن

کیا برطانیہ کی قسمت میں کچھ لکھا ہے؟

برطانیہ، ۹۰ فیصدی غیر مسلم اکثریت کا ملک۔ غیر مسلم اکثریت بھی وہ جس کی اسلام دشمنی یا کم سے کم بیزاری یا بیگانگی مشہور و مسلم ہے۔ مسلمانوں کی تعداد یہاں پندرہ بیس لاکھ سے زیادہ نہ ہوگی اور وہ بھی تھوڑے ہی دنوں سے۔

زیادہ سے زیادہ بیس سال ہوتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کی تعداد کسی شمار و قطار کے قابل ہونا شروع ہوئی۔ اس وقت یہاں اسلامی آثار و نشان کے نام سے دو ایک مسجدیں ہی ہوں گی۔ جن میں سے ایک ووکنگ کی مشہور مسجد شاہجہاں بیگم ہے۔

مسلمانوں کی کافی تعداد ہو جانے کے باوجود یہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ کوئی چار پانچ سال تک اسلام کے آثار و نشان یا مسلمانوں کی اسلامیت کے مظاہر میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ مگر پھر اللہ کے کرم سے اس بارے میں بھی کچھ صورتیں فرق اور ترقی کی پیدا ہونا شروع ہوئیں۔ جن میں سب سے زیادہ وسیع الاثر صورت تبلیغی جماعتوں کی آمد اور جد و جہد کی تھی۔ جن کی جد و جہد نے مسجدیں بھی بنوائیں۔ نمازی بھی بناتے اور مسلمانوں کی صورتوں میں اسلام کا رنگ بھرا۔

آج (مذہبی پہلو سے) گرجاؤں اور کلیساؤں کے اس ملک اور دوسری طرف (مذہب فراموشی کے پہلو سے) رقص گاہوں اور شراب خانوں کے اس ملک میں تین سو سے اوپر مسجدیں ہیں۔ اور خالی مسجدیں ہی نہیں مسجد کے آباد کرنے والے نمازی بھی ہیں۔ اس وقت رمضان قریب ہے۔ رمضان بھر یہ مسجدیں آپ کو تراویح کی شب زندہ داری اور کلام اللہ کی تلاوت و قرأت سے گونجتی ہوئی ملیں گی۔ مغرب کے وقت بڑے اہتمام اور شوق سے مل جل کر افطار کرنے والوں کا کم و بیش مجمع آپ کو ہر مسجد میں ملے گا۔ جمعہ کی نمازیں پورے سال ہر مسجد بھر جاتی بلکہ کہیں کہیں دو دو جماعتیں ہوتی ہیں۔

تبلیغی جماعت کی برکت سے اوسطاً مہینے میں کم سے کم ایک بار ضرور ہر مسجد دو تین دن کے لئے خصوصی طور سے آباد ہو جاتی ہیں۔ اور چونکہ یہاں شہروں کی مساجد میں جمعہ کے علاوہ ہفتہ بھر کی نمازوں خصوصاً دن کے اوقات میں حاضری عموماً بہت کم ہی رہتی ہے۔ اس لئے تبلیغی جماعتوں کا یہ ہر ہفتہ کا سہ روزہ تبلیغی پروگرام بہت ہی قابل قدر اور اس

آیتِ قرآنی کی ایک عملی تفسیر نظر آتا ہے جس میں ارشاد ہے :-

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۝

سورۃ النور آیت ۳۶-۳۷

ان گھروں (اللہ کے گھروں) میں کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کی تعظیم کئے جانے اور اس کے نام کی یاد ان میں کئے جانے کا، تسبیح کرتے ہیں ان میں اس کی صبح و شام وہ لوگ کہ نہیں غافل کر پاتی ہے ان کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کا ذکر کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے۔ وہ خوف کھاتے ہیں اس دن کا کہ الٹ پلٹ ہو جائیں اس میں دل اور آنکھیں۔

تبلیغی جماعت کے ہر ہفتے کے ان سہ روزہ پروگراموں کے علاوہ مختلف نوعیتوں اور پیمانوں کے بڑے بڑے اجتماع بھی وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف علاقوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح دوسری جماعتیں بھی اپنی اپنی مخصوص مسجدوں میں اپنے اپنے انداز پر کچھ تبلیغی پروگرام کرتی رہتی ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے علماء و مشائخ کو مدعو کرتے اور جگہ جگہ ان کے مواعظ و بیانات کرانے کا بھی سلسلہ کافی دنوں سے شروع ہو چکا ہے۔ اور دن بدن ترقی پر ہے اس سلسلے میں جہاں کچھ نقصان دیکھنے میں آرہا ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جو واقعی دینی ذوق اور ایمانی جذبہ ابھارنے کی بجائے فرقہ وارانہ جذبات کو فروغ دینے اور مسلکی اختلافات بھڑکانے ہی پر اپنے بیانات کا زور صرف کرتے ہیں۔ وہاں اللہ کے ایسے بندے بھی ان آنے والوں میں ہوتے ہیں جن سے مثبت دینی فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ اپنی حقیقی ذمہ داریوں اور اپنی کوتاہیوں کا احساس ان میں پیدا ہوتا ہے۔ اور تعلیم و تزکیہ کا نبوی مشن ان کے بیانات اور ان کی مجالس سے کسی نہ کسی درجہ میں پورا ہوتا ہے۔

غرض جس طرح ساری دنیا میں آج جس تیزی سے شر بڑھ رہا ہے اسی تناسب سے خیر کے لئے جد و جہد بھی بڑھ رہی ہے۔ یہی حال انگلستان کا بھی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ خیر کی جد و جہد کے اثرات شر کے سیلاب کے مقابلے میں اس وقت تک بہت کمزور رہے ہیں۔ لیکن اگر خیر کی جد و جہد ہمت ہارنے اور شکست ماننے کے بجائے اپنا تناسب اسی طرح بڑھاتی ہی جاتی ہے تو اثرات کا نقشہ جو کچھ بھی ہو۔ بہر حال اس میں امید بندھانے کا سامان ہے نہ کہ مایوس کرنے کا۔ شر اور شیطنت کے فروغ کے باوجود اگر خیر اور ہدایت حق کے لئے جد و جہد کرنے والوں میں پست ہمتی نہیں آتی۔ بلکہ جوش اور جذبہ کار بڑھتا ہے اور ان کے قافلے کی تعداد بھی گھٹنے کے بجائے بڑھنے ہی کی طرف جارہی ہے تو مستقبل اور انجام کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ لیکن یہ علامت ہے کہ اللہ کو اب کچھ منظور ہے۔ یہ شب کی تاریکی کو ان شاء اللہ چھٹنا ہے۔ اور صبح حق نمودار ہونی ہے خواہ کتنی بھی دیر لگ جائے۔ کتنا بھی عرصہ کشمکش حق و باطل میں گزر جائے۔

ہم نے کیا اور یہی ایمان ہے کہ مستقبل اور آج کے واقعات پر مرتب والے نتائج کا حقیقی علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ ہم محض اندازے اور گمان کی حد تک ہی کسی اچھی امید اور حسن ظن کا اظہار آج کے کسی واقعہ کے نتائج سے متعلق کر سکتے ہیں۔ اسی نوعیت کی یہ بات ہے کہ ان دنوں میں ایک ایسا واقعہ سرزمین انگلستان کے حصے میں آیا ہے جس نے ہم جیسے کتنوں ہی کے دل میں حسن امید اور یہ حسن ظن کی یہ روشنی چمکائی ہے۔ کہ شاید خدا کو انگلستان کے حق میں کوئی خیر منظور ہے اس کی شکل کیا ہو گی ؟ اسے بھی وہی جانے اور کتنا عرصہ اس کے ظہور میں لگے گا ؟ اسے بھی وہی جان سکتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم کی ذات گرامی سے ہندوستان و پاکستان کا کوئی بھی تھوڑا بہت پڑھا لکھا مسلمان مشکل ہی سے ناواقف ہو گا ان کی ذات سے جتنا فیض و خیر ہم جیسوں کے بشری علم و اندازے میں ہند و پاکستان کے مسلمانوں کو (چاہے وہ کہیں بھی بستے ہوں) پہنچا ہے۔ بظاہر کوئی دوسری زندہ ہستی اس پائے کی اس وقت موجود نہیں ہے وہ عمر کے ۸۴ سال پورے کرنے والے ہیں۔ برسہا برس کے عوارض نے ادنیٰ نقل و حرکت سے بھی معذور کر دیا ہے۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت بھی مدتوں سے ان جاں نثار خدام کے ذریعہ پوری ہوتی ہے جنہوں نے اپنی جان کو گویا آپ کی جان سے باندھ رکھا ہے۔ اور شب و روز کے ہر لمحہ میں آس پاس رہتے ہیں۔ کئی سال ہو چکے کہ اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع میں اپنی عمر کا آخر محسوس کرتے ہوئے روضۂ نبوی (علیہا علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کے جوار ہی میں جان دینے اور اسی خاک پاک کا پیوند بننے کی آرزو میں مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی ہے۔ اور وہاں سے سال بھر میں بس ایک سفر ہینے ڈیڑھ مہینے کے لئے ہندوستانی متوسلین کی اس بے شمار تعداد کی حسرت دور کرنے کے لئے ہندوستان (سہارنپور) کا ہوتا ہے جو حجاز پاک کا سفر کر کے فیض صحبت پانے کی استطاعت نہیں رکھتی۔

جو شخص بھی قریب سے حضرت مولانا کی جسمانی کمزوری کو دیکھنے کا موقع پالے گا وہ بخوبی اندازہ کر سکے گا۔ کہ یہ ایک سفر بھی ان کے لئے کس قدر زحمت کا باعث ہوتا ہو گا۔ اس لئے کسی دوسرے سفر کا سوال ہی کہاں پیدا ہو سکتا ہے اور پچھلا سال تو عوارض اور امراض کی ایسی شدت کا گزر چکا ہے۔ کہ اہل تعلق کو ہر وقت کوئی ناشنیدنی سننے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اس لئے جب اس تمام پس منظر میں منیٰ کے آخری دنوں میں سے ایک دن اس راقم الحروف نے اپنے ایک دوست کی زبان سے اطلاعاً سنا کہ ، ارجون کو "شیخ زکریا" تشریف لا رہے ہیں۔ یعنی انگلستان تشریف لا رہے ہیں۔ تو صد فی صد ناقابل یقین بات معلوم ہوئی۔ مگر پھر انہوں نے اطلاع اور ذریعہ کی پوری تفصیل بتائی تو خبر کو قابل قبول ماننے کے ساتھ ساتھ ایک طرف تو اس کی حیرت انگیزی میں کوئی فرق نہیں آیا یا دوسری طرف ایک ایسے احساس خوش نصیبی کی لذت نے اس خبر سے پائی کہ کیسے بیان ہو۔ حضرت کے عوارض و امراض کی شدت کا ایک عرصے تک تسلسل سنتے سنتے ۔ لیکن یہ خبر سفر کی راہ میں دور تک موانع اور مشکلات دیکھتے ہوئے اس کی توقع قریب قریب نہ ہونے کے درجہ میں رہ گئی تھی۔ کہ اس زندگی میں

حضرت کی زیارت ایک بار پھر ہو سکے گی۔ ایسی حالت میں جب یہ خبر کان سے ٹکرائی تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیسی مسرت اور احساس خوش بختی کی کیا کیفیت دل پہ طاری ہوئی ہوگی۔ اس وقت بے اختیار اپنے والد ماجد کی تحریروں میں بکثرت استعمال شدہ یہ مصرع زبان پہ آگیا ع

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

۱۷ رجون کے انتظار میں ایک ایک دن گنا جا رہا تھا کہ تاریخ قریب آنے لگی۔ مگر کوئی چرچا اور تذکرہ سننے میں نہیں آیا۔ تو اپنی مخبر دوست سے پوچھا کہ بھئی کیا ہوا؟ ۱۷ تو قریب آگئی۔ کوئی تازہ اطلاع اور نہیں آئی تب معلوم ہوا کہ آئی ہے۔ اور اب ۱۷ کی جگہ تاریخ ۲۴ ہوگئی ہے اور یہ انشاءاللہ نہیں بدلے گی۔ اور اس دوسری خبر کی تفصیلات کی نوعیت نے بھی اطمینان دلایا کہ انشاءاللہ اس تاریخ پر تشریف آوری ہو ہی جائے گی۔

حضرت شیخ الحدیث کی یہ تشریف آوری آپ کے خلیفہ مجاز یوسف متالا صاحب کی دعوت پر موصوف ہی کے قائم کئے ہوئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالعلوم ہولکمب بری لنکا شائر (LANCASHIRE) (HOLCMOB BURY) میں ہو رہی تھی۔ اس دارالعلوم سے باضابطہ اعلان جاری ہوا کہ حضرت ۲۴ کو تشریف لا رہے ہیں اور ایک ہفتہ قیام فرمائیں گے۔ چنانچہ ارادہ کر لیا کہ یہ ہفتہ انشاءاللہ حضرت کی خدمت ہی میں گزارنا ہے۔

۲۳ اور ۲۴ (بروز ہفتہ و اتوار) کو برمنگھم میں پورے ملک کا ایک بڑے پیمانے کا تبلیغی اجتماع تھا برمنگھم دارالعلوم ہولکمب بری اور لندن کے درمیان میں ہے اس لئے سفر ۲۳ ہی سے شروع کر دیا تاکہ اس اجتماع خیر میں بھی تھوڑی سی شرکت ہو جائے۔ اس اجتماع میں (پاکستان کے) حضرت قاضی عبدالقادر صاحب مدظلہ بھی شرکت فرما رہے تھے جو مدینہ منورہ سے حضرت کے قافلہ کے ہراول کے طور پر دو دن پہلے تشریف لے آئے تھے اجتماع کے اس وقفہ کا زیادہ تر وقت حضرت قاضی صاحب کی صحبت اور معیت ہی میں گزرا۔ اجتماع کے خاتمہ پر قریب چھ بجے برمنگھم سے دارالعلوم کے لئے روانہ ہو کر قاضی صاحب اور ہم لوگ تھوڑا آگے پیچھے ۸ اور ۹ کے بیچ میں دارالعلوم پہنچ گئے۔ سفر کار سے تھا جو انگلینڈ میں جا رہے ہوں کا رہمارے کرم فرمائے خاص جناب حافظ محمد ابراہیم صدیقی صاحب کی اور رفاقت علاوہ حافظ صاحب کے ایسے ہی دوسرے محب خاص مولانا محمد عیسیٰ صاحب (امام مسجد ایسٹ پارک لندن) کی اور ایک دوسرے مہربان پٹیل صاحب کی تھی۔ سفر دو گھنٹے کا تھا مگر ہم لوگ ایک گفتگو کی محویت میں سب کے سب ہی اس موڑ کے سائن سے غافل ہو گئے جس پر ہمیں مین روڈ (موٹروے) کو چھوڑ کر دارالعلوم کے لئے مڑنا تھا اور

"یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد"

کے مصداق قریب چالیس میل آگے نکل کر یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے کہ ہم اپنی راہ چھوڑ کر آگے نکل آئے۔ چنانچہ اب پلٹے اور یہ

میل اسی میل کی مسافت بھی پڑی اور گھنٹے سوا گھنٹے کی تاخیر بھی۔ بہر حال دار العلوم پہنچے۔ جو بڑی شہری آبادی "بوسٹن" سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر ہولکمب ہل (HOLCOMB HILL) نامی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ اصل میں ایک سینی ٹوریم تھا جو کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا تو اسے غالباً ۱۹۷۳ء میں ایک لاکھ پندرہ ہزار پونڈ کے عوض دار العلوم کے لئے خرید لیا گیا۔ بہر حال دار العلوم پہنچے۔ حضرت قاضی صاحب اور ان کے رفقاء سفر جناب حافظ پٹیل صاحب (امیر جماعت تبلیغ برطانیہ) اور مولانا یعقوب صاحب کاوی وغیرہ) پہلے پہنچ چکے تھے۔ نماز عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ جلدی سے نماز ادا کی۔ اس کے بعد قاضی صاحب کے ساتھ کھانا کھایا اور اب مغرب کا وقت آگیا۔ کوئی پونے دس بجے کا وقت ہوگا۔ (انگلینڈ میں آج کل دن اتنا بڑا ہے کہ مختلف علاقوں کے فرق کے اعتبار سے پونے پانچ، پانچ پر سورج نکلتا ہے اور ساڑھے نو پونے دس پر غروب ہوتا ہے)

حضرت شیخ الحدیث کے متعلق ہمیں برمنگھم ہی میں اطلاع مل چکی تھی کہ جہاز لیٹ ہو جانے کی وجہ سے ساڑھے دس کے قریب مانچسٹر کے ہوائی اڈے پر اتریں گے۔ مغرب کی نماز میں اس کا اعلان کر دیا گیا۔ قرب و جوار اور دور دراز سے سینکڑوں آدمی شیخ کے استقبال اور دیدار کے لئے ابتدائی اطلاع کے مطابق تین چار بجے ہی سے پہنچ چکے تھے نیا اعلان سن کر چشم براہ ہو گئے۔ حضرت کو جس جگہ سے کار سے اتر کر اپنے کمرے تک پہیوں والی کرسی تک آنا تھا اس جگہ سے کمرہ تک لوگ دو رویہ قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ اس طرح کمرہ تک پہنچتے پہنچتے اکثر لوگوں کو آپ کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع مل گیا۔

خیال تھا بلکہ یقین سا تھا کہ اس وقت رات میں اس سے زیادہ ملاقات کی کسی صورت کا کوئی سوال نہیں۔ صبح آٹھ بجے کے جدہ سے چلے ہوئے رات کو ساڑھے دس بجے منزل پر پہنچ رہے ہیں۔ تعب و تکان کا کیا حال ہوگا۔ اچھا بھلا تندرست آدمی بھی اتنے لمبے سفر کے بعد آرام ہی چاہے گا۔ چہ جائیکہ ایک پیر ضعیف و مریض مگر حیرت کی انتہا نہ رہی جب نماز عشا میں اعلان سنا کہ لوگ اسی وقت حضرت سے عرض سلام اور مصافحہ کی شکل میں مل سکیں گے ——یا اللہ یہ مجاہدہ اور اہل شوق و محبت کی یہ رعایت۔ اس سے جہاں یہ اندازہ ہوا کہ مجاہدہ کرتے کرتے انسان تحمل اور برداشت کے کس درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور اہل اللہ کو عین اخلاق الٰہی کے مطابق[1] اہل شوق و طلب کی کتنی رعایت ملحوظ رہتی ہے وہاں ایک اشارہ میرے اپنے ذہن کو یہ بھی ملا کہ یوں تو یہ حضرات اپنا ایک لمحہ بھی کہیں بھی ہوں ضائع نہیں جانے دیتے مگر یہاں، میرے فہم و اندازے کے مطابق، وہ اپنے بس بھر جس اضافے اور خلق اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ کھینچنے

---

[1] اخلاق الٰہی سے متعلق ایک حدیث میں آتا ہے کہ بندہ اگر میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھ کر آتا ہوں۔ الخ

کی نیت اور امید سے تشریف لاتے تھے۔ اسے ملحوظ رکھتے ہوتے یہاں کے قیام کا ایک ایک لمحہ وصول کرنا اور اس کے لئے بہر قیمت وہ طرزِ عمل اختیار کرنا منظور تھا۔ جو اس مقصد و مدعا کے زیادہ سے زیادہ بڑے پیمانے پر حاصل ہونے میں مددگار ہو سکے ۔ لوگ جانتے ہیں کہ ع

"فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق"

اس امر کا باعث ہوتی ہے کہ میکدے میں ہجوم زیادہ ہو۔

بہر حال حیرت اور مسرت سے یہ اعلان سنا کہ اسی آدھی رات کے وقت ملاقات ہو گی۔ چنانچہ ہوئی اور قریب قریب ایک گھنٹہ اس عمومی ملاقات میں لگا۔ جس میں قطار باندھ کر لوگ سلام اور مصافحہ کرتے ہوتے گزرتے گئے۔ الحمدللہ یہ سعادت اپنے حصہ میں بھی آئی۔ دل و نگاہ دونوں مدت سے پیاسے تھے۔ مصافحہ کے ساتھ آنکھیں بھی ان مبارک ہاتھوں سے لگا کر اس پیاس کو کچھ بجھانے اور سپاسِ دل گزارنے کی کوشش کی۔ امید کے مطابق التفات پایا تو اظہار خوش نصیبی کے پیرائے میں اس زحمت فرمائی پر زبان سے بھی شکر گزارا۔ کیا مبارک رات تھی

نازم بچشم خویش کہ روئے تو دیدہ است

ایک ڈیڑھ بجے سو کر چار بجے فجر کے لئے اٹھنا ہوا۔ اور اس کے بعد رات تک کا وہ پروگرام شروع ہو گیا جس کا حضرت کے دورانِ قیام میں روزمرہ کے لئے اعلان ہو گیا تھا۔ یعنی سوا چار بجے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اوراد و وظائف ۸½ بجے ناشتہ ۱۰½ بجے سے ۱۱½ تک تصوف تزکیہ سے متعلق شیخ کی کسی کتاب سے تعلیم۔ ایک بجے دوپہر کا کھانا۔ ۲¾ بجے ظہر کی نماز۔ نماز کے بعد مشائخ کا معمول بہ ختم اور اجتماعی دعا۔ پھر ذاکرین کا ذکر بالجہر اور بقیہ لوگوں کی درود، استغفار اور تسبیحات میں مشغولیت۔ اس کے بعد ۶ بجے شام کی چائے پھر ۶½ بجے سے ۷½ بجے تک حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کا بیان۔ ۸ بجے نماز عصر۔ نماز کے بعد شام کا کھانا۔ پونے دس بجے مغرب کی نماز اور نماز کے بعد نماز گاہ ہی میں قریباً پون گھنٹے کی حضرت کی [illegible] مجلس۔ اور پھر ۱۱½ بجے عشاء کی نماز۔

یوں تو کئی سو آدمی مستقل طور سے دارالعلوم میں مقیم ہی رہتے تھے اور اس طرح ہر پروگرام میں اچھا خاصا مجمع ہوتا تھا۔ لیکن دارالعلوم کی یہ خانقاہ جو حضرت کی آمد سے قائم ہو گئی تھی۔ اس کی اصل بہار شام چھ بجے سے شروع ہوتی تھی۔ جب کہ قرب و جوار کے لوگ اپنی دکانوں، دفتروں اور کارخانوں وغیرہ سے چھٹی پا کر جوق در جوق وہاں پہنچ جاتے تھے۔ اس وقت یہ مجمع ہزاروں کا ہوتا تھا۔ اور اس بہار کا بھی اصل شباب نماز مغرب سے شروع ہوتا تھا۔ اس کے بعد متصلاً اسی جگہ حضرت مجمع کے بیچ میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ یہ وقت چوبیس گھنٹوں کا حاصل تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ دلوں پر سکینت اور فیضانِ حق کا نزول ہو رہا ہے۔ اور کیسے نہ ہوتا جب کہ ایک بندۂ حق اپنی پوری توجہ قلبی کے ساتھ مراقب ہو کر درمیان میں بیٹھا ہے اور ارد گرد کا سارا مجمع فیضانِ حق کے کچھ چھینٹے پانے کی نیت سے ایک

جذبۂ طلب اور حسنِ عقیدت کے ساتھ نظریں اس کے چہرے پر جمائے ہوئے، اس کے اپنے الفاظ میں اُس کی "درخواست" اور ہماری تعبیر میں اس کی ہدایت پر کم سے کم ایک ہزار بار درود شریف کا ورد پورا کرنے میں مصروف ہے۔

حضرت نے پہلے ہی دن مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہی فرمایا تھا کہ بھئی میرے پاس صرف بیٹھنے اور مجھے دیکھنے کے لئے جمع ہو جانے سے کچھ نہیں ملے گا۔ جو کچھ ملے گا کچھ کرنے سے ملے گا۔ اور کچھ کرنے کے سلسلے میں اس وقت (یعنی اس مجلس کے وقت) میں کم از کم اتنا ضرور کرو کہ ایک ایک ہزار بار درود شریف ہر شخص پڑھ لے اور اس کے علاوہ اوقات میں ہر غیر ضروری بات سے اپنے وقت کی حفاظت کرتے ہوئے دل اور زبان کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو۔

اس مجلس کے آغاز میں ہر دن حضرت کسی نہ کسی درجے اور کسی نہ کسی پیرائے میں مذکورہ بالا ہدایت کی یاددہانی ضرور فرماتے تھے، اور اندازہ یہ ہے کہ کم از کم اس مجلس کے وقت میں تو تمام ہی حاضرین آپ کی ہدایت پر عمل کرتے تھے اور اس طرح یہ مجلس گویا مجلس درود ہو جاتی تھی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا (جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے) اس مبارک حدیث کی روشنی میں کیونکر کسی شبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ اس مجلس کے دوران میں دل و روح میں جو ایک غیر معمولی سکینت و شادمانی اور ایک بیان سے بالاتر حلاوت ایمانی کا احساس طاری رہتا تھا وہ کوئی واہمہ نہیں عین ایک حقیقت کا احساس اور اُس رحمت و عنایت حق کا عکس تھا جو اس خاموش درود خوانی کے جواب میں اس مجلس پر برس رہی ہوتی تھی۔

اتنی دیر کی خاموشی کے بعد کہ ایک ہزار مرتبہ درود کا ورد پورا ہو جاتے۔ ان لوگوں کی بیعت شروع ہوتی تھی جو حضرت سے بیعت ہونا چاہتے تھے۔ اس بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ حضرت اپنی زبان سے بیعت کے الفاظ فرماتے جیسے حضرت کے خدام میں سے ملک عبدالحفیظ صاحب مائک پر دہرا کر اس ہدایت کے ساتھ مجمع تک پہنچاتے کہ جو لوگ واقعی بیعت کا ارادہ کر کے آئے ہوں وہ ان الفاظ کو دہرائیں۔ بیعت کے الفاظ میں کیا ہوتا ہے؟ ایمان کی تجدید گناہوں سے توبہ اور آئندہ کے لئے اطاعت و راست روی کا عہد و اقرار۔ یہ اس مجلس کا خاتمہ ہوتا تھا یعنی درود سے شروع کر توبہ و استغفار پر یہ مجلس ختم ہوتی تھی —— اس کے علاوہ اور کیا کسی مجلس کے بابرکت اور ایمان آفریں ہونے کے لئے چاہئے۔

اس انداز پر اور اس شان سے حضرت کے قیام انگلستان کے یہ دس گیارہ دن گزرے۔ انہی میں سے درمیان کا ایک دن (پنجشنبہ ۲۸ جون) برطانیہ کے تبلیغی مرکز (ڈیوزبری) کے لئے رکھا گیا تھا۔ پورے قیام میں بس یہی ایک سفر حضرت نے دارالعلوم سے باہر کا فرمایا۔ صبح ساڑھے دس گیارہ بجے روانگی ہوئی ۱۲ بجے ڈیوزبری سے چند میل ورے ایک جگہ پہنچ کر قرار دیا

کا قیام فرمایا۔ کیونکہ یہاں خواتین کی بیعت کا پروگرام تھا۔ اس بیعت سے فراغت پاکر آپ ڈیوزبری کے مرکز میں تشریف لے آئے عشاء تک وہیں قیام رہا۔ عشاء پڑھ کر وہاں سے پھر دارالعلوم کو واپس ہو گئے۔ اس قیام میں بھی نظام الاوقات اور پروگرام بالکل وہی رہا جو دارالعلوم میں رہتا تھا۔

حضرت دارالعلوم سے ڈیوزبری چلے تو وہاں کے مقیمین کا بیشتر حصہ بھی آپ کے آگے پیچھے اس طرح وہاں سے منتقل ہو گیا جیسے شمع کے ساتھ پروانے۔ اور ان کے علاوہ ڈیوزبری کے جوار سے جو آمد شروع ہوئی تو ہر طرف سے موٹریں ہی موٹریں آتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ دارالعلوم تو بالکل ہی آبادی سے الگ اپنی دنیا آپ ہے۔ مرکز کے ساتھ بھی کوئی خاص آبادی نہیں۔ مگر دونوں جگہ جنگل میں منگل میں شان تھی۔ معلوم ہوتا تھا دنیا کی ساری رونق اور زندگی یہیں کھنچ آئی ہے۔

اگر اسے سفر کہا جا سکے تو ایک سفر ڈیوزبری کے علاوہ بھی حضرت نے اور کیا اور وہ دارالعلوم سے آٹھ دس میل پر واقع شہر بولٹن کی زکریا مسجد کا سفر تھا۔ یہاں اتوار یکم جولائی کو ۱۲ بجے دن سے ظہر تک کا پروگرام تھا جہاں مفتی محمود الحسن صاحب کا بیان۔ خواتین کی بیعت اور دوپہر کے کھانے کی دعوت تھی۔ اس پروگرام میں راقم حروف شریک نہیں ہو سکا۔ کیونکہ اسے اسی دن دو بجے لندن کے لئے واپس ہونا ضروری تھا۔

ابتدا میں حضرت کی واپسی بھی اتوار ہی کی تھی اسی کے مطابق میں نے بھی اتوار تک کے ارادے سے لندن چھوڑا تھا۔ مگر بعد میں حضرت کے قیام میں کچھ اضافہ طے ہو گیا اور واپسی جمعرات ۵ جولائی کو طے پائی۔ مگر میں بعض مجبوریوں سے اپنا قیام نہ بڑھا سکا۔ اور حضرت سے اجازت اور آپ کی دعائیں لے کر حضرت کی بولٹن روانگی کے بعد لندن کے لئے روانہ ہو گیا۔

۵ جولائی کی صبح ۹ بجے حضرت مانچسٹر ایرپورٹ سے پرواز کر کے قریب لندن کے ہیتھرو ایرپورٹ پر تشریف لائے یہاں سے آپ کو ایر انڈیا کے ذریعہ دہلی تشریف لے جانا تھا۔ طیارہ کا اصل وقت ۱۰ بجے تھا مگر رات ہی کو اس کا علم دارالعلوم میں ہو گیا تھا کہ ۱۰ بجے کے بجائے دو بجے پرواز ہو گی۔ اس لئے جو آخری فلائٹ اس طیارہ سے سفر کے لئے مانچسٹر سے ہو سکتی تھی وہ اختیار کی گئی۔ مگر یہ مزید دو گھنٹے لیٹ ہوا اور چار بجے گیا۔

دو بجے کی اطلاع ہم لندن کے لوگوں کو بھی مل گئی تھی اس لئے گیارہ کے قریب ہیتھرو پہنچے۔ اس وقت حضرت مخصوص انتظامات کے تحت برٹش ایرویز کے میڈیکل یونٹ کے ایمرجنسی وارڈ میں تشریف فرما تھے۔ ہمیں وہیں حاضری کا موقع مل گیا۔ مگر عین اسی وقت ایر انڈیا کے "مہاراجہ لانج" سے بلاوا آگیا۔ جہاں آرام کا مستقل بندوبست ہو رہا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں جا کر رخصتی ملاقات کی تکمیل کی۔

خدا ان لوگوں کو صدا خوش رکھے جو حضرت کے اس سفر کا ذریعہ بنے اور راقم الحروف جیسے کتنے ہی آرزو مندوں کو انگلستان ہی میں بیٹھے بیٹھے حضرت کی زیارت نصیب کرا دی۔ غیب اور حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے مگر جہاں تک اپنے دل کی بات ہے سو وہ تو یہی کہتا ہے کہ حضرت کی معذوریاں جس درجہ کی ہیں ضعف و پیری کی جو کیفیت ہے اور مدینے

فقہ جعفریہ کی حقیقت اور سندی حیثیت

مولٰنا عبدالستار تونسوی

اب انصاف فرمائیے کہ جن شیعہ راویوں نے فقہ جعفریہ کو جنم دیا جب وہ ائمہ کو گمراہی میں رہنے والے، گمراہی سکھانے والے۔ اختلاف کرانے والے طمّاع، لالچی اور ناقص العلوم سمجھتے تھے اور ان کی شان میں صریح گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے تھے اور ائمہ کرامؒ ان کو ملعون، یہود و نصاریٰ سے بدتر، جھوٹے۔ خود غرض اور مرتد تصوّر کرتے تھے تو کیا اس فقہ کو ائمہ کرام خصوصاً امام جعفر صادق سے کوئی دور کا واسطہ بھی ہو سکتا ہے۔

★

مملکت خداداد پاکستان میں یوں تو سینکڑوں دینی و دنیاوی اور سیاسی و معاشی فتنے کھڑے کئے جا رہے ہیں۔ مگر موجودہ وقت میں فقہ جعفریہ کا فتنہ سب سے زیادہ سنگین ہے جس کے ذریعہ منظم طور پر ملک کی پُر امن فضا کو مسموم و مکدر کر کے ملک و ملّت کے استحکام کو متزلزل و منہدم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اپنی پہلی نشری تقریر میں واضح طور پر فرمایا تھا کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے۔ اس میں سوائے اسلامی قانون کے کوئی دوسرا قانون عوام پسند نہیں کرتے اور اسلامی قانون کی تشکیل کے لئے جنرل صاحب نے اسلامی مشاورتی کونسل مقرر کی۔ نیز دیگر اسلامی قانون دان دانشوروں سے وقتاً فوقتاً مشورے لے کر اسلامی قانون کے نفاذ کی ممکنہ صورتیں تجویز کیں۔ چنانچہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ کو نظام عشر زکوٰۃ کے ساتھ حدود و تعزیرات شرعیہ کے نفاذ اور شرعی عدالتیں قائم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس اعلان سے اگر یہود و نصاریٰ اور دیگر اسلام دشمن عناصر میں غیظ و غضب کی آگ بھڑکتی تو کچھ تعجب و حیرت کی بات نہ ہوتی۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ اس اعلان کے بعد شیعہ عوام جہلا تو کیا ان کے خواص رؤسا، وکلا و علماء و مجتہدین حضرات کے گھروں میں

صف ماتم بچھ گئی اور سب نے اسلامی نظام کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگانا شروع کر دیا اور اس فتنہ کے لئے فقہ جعفری کے مطالبہ کو آڑ بنایا گیا۔ حالانکہ یہ ایک ایسا مطالبہ ہے جو شیعہ مذہب کی اساسی تعلیمات اور اس کے بنیادی اصول و عقائد کی رو سے سراسر باطل اور یکسر غلط ہے۔ بلکہ شیعہ مذہب کے احکام کی صراحۃً خلاف ورزی اور اس سے روگردانی و بغاوت کے مترادف ہے۔ کیونکہ شیعہ مذہب کی ایک دو نہیں بلکہ متعدد معتبر روایات میں یہ عقیدہ راسخہ باور کرایا گیا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ نے (نعوذ باللہ) سارے دین کو بگاڑا اور قرآن مجید میں تغیر و تبدل کر کے کفر کے ستون کھڑے کر دیئے تھے۔ (احتجاج طبرسی شیعہ) اور جب حضرت علیؓ مرتضےٰ شیر خدا کی خلافت راشدہ کا دور آیا تو شیعہ عقائد کے مطابق انہوں نے سابقہ احکام و توانین (جو بقول شیعہ خلاف قرآن وسنت تھے۔) انکی اصلاح کرنے اور انکو اصلی اسلامی صورت میں جاری کرنے سے یہ کہہ کر صاف انکار فرمایا کہ اگر میں انکی اصلاح کروں تو میری جماعت مجھ سے جدا ہو جائے گی۔ بلکہ جب ان کی خدمت عالیہ میں بعض خواص نے بدلے ہوئے قرآن مجید کو درست کرنے کے متعلق عرض کیا تو انہوں نے فرمایا آج اس کا موقع نہیں کہ قرآن کی اصلاح کر کے عوام میں ہیجان پیدا کیا جائے۔"

ثم اقبل بوجهه وحوله ناس من اهل بيته وخاصة وشيعة فقال قد عملت الولاة قبلى اعمالاً خالفوا فيها رسول الله معتمدين لخلافه ناقضين لعهده مغيرين لسنته ولو حملت الناس على تركها وحولتها الى مواضعها والى ما كانت فى عهد رسول صلى الله صلى الله لتفرق عنى جندى۔	جناب علیؓ کے پاس آپ کے اہلبیت و خواص شیعہ جمع تھے۔ ان کیطرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ مجھ سے پہلے حکمرانوں نے ایسے اعمال و احکام جاری کئے جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیدہ و دانستہ مخالفت کی اور آپ کے معاہدوں کو توڑا۔ آپ کی سنتوں کو تبدیل کیا اگر ان اعمال و احکام کے ترک کا لوگوں کو حکم کروں اور اصلی طریقہ رسول علیہ السلام پہ بدلوں تو میری پارٹی مجھ سے جدا ہو جائے گی۔

نیز چند سطور کے بعد یہ فرمایا:۔

وحملت الناس على حكم القرآن وعلى الطلاق على السنة واخذت الصدقات على اصنافها وحدودها ورددت الوضوء والغسل والصلوٰة	اور لوگوں کو قرآن پہ چلنے کا حکم دوں اور طلاق کو سنت کے طریقے پہ دینے کا حکم دوں اور صدقات کو صحیح اقسام اور صحیح حدود پہ لوں اور وضو غسل اور نمازوں

الی مواقیتھا وشرائعھا ومواضعھا	کو ان کے اصل اوقات اور اصل طریقوں اور
وردت اھل نجران الی مواضعھم	اصلی مقامات کیطرف لوٹاؤں اور اہل نجران
وردت سبایا فارس وسائر الامم	کو ان کے مواضع میں واپس کروں اور فارس
الی کتاب اللہ وسنۃ نبیہ علیہ	اور دیگر ملکوں کے لوگوں کے قیدیوں کو واپس
السلام اذا لتفرقوا عنی۔	لوٹا دوں اور ان کو کتاب اللہ اور سنت
(فروع کافی کتاب الروضہ ص۲۹) مطبوعہ لکھنو	نبی علیہ السلام کیطرف لوٹاؤں تو اس وقت
	یہ مجھ سے جدا ہو جائیں گے۔

اس طرح حضرت امام جعفر صادق کے سامنے کسی نے قرآن کو ائمہ کی قرأت کے مطابق پڑھنا چاہا تو امام نے فرمایا۔ یہ صاحب الامر (مہدی) کے وقت ہوگا۔ اس وقت اسی طرح پڑھتے رہو جسطرح عام لوگ پڑھتے ہیں (اصول کافی ص۶۷۱)

اور اماموں نے ہمیشہ دین کو چھپانے کی تاکید کی ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال	امام جعفر صادق سے روایت ہے۔ فرمایا
اتقوا علی دینکم واحجبوہ بالتقیہ فانہ	دین کے معاملہ میں تقیہ کرو اور اس کو تقیہ سے
لا ایمان لمن لا تقیہ لہ۔	چھپاؤ۔ کیونکہ جو تقیہ نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں۔
(اصول کافی ص۴۸۳)	...

نیز روایت ہے۔

ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قول اللہ	امام جعفر صادق علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے
عزوجل لا تستوی الحسنۃ ولا السیۃ	قول حسنہ اور سیئہ برابر نہیں کے متعلق فرمایا
قال الحسنۃ التقیہ والسیۃ الاذاعۃ۔	حسنہ تقیہ ہے اور سیئہ دین کا ظاہر کرنا ہے
(اصول کافی ص۴۸۳)	...

نیز روایت ہے۔

قال ابو جعفر علیہ السلام التقیہ من	امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا تقیہ میرا اور
دینی ودین آبائی ولا ایمان لمن لا تقیہ	میرے باپ دادا کا دین ہے۔ جو شخص تقیہ
لہ۔	نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں۔

تو پس شیعہ حضرات اور مفتی جعفر حسین صاحب کو ائمہ کی طرح اور ان کے حکم کے مطابق تقیہ جیسی عبادت پر عمل کرتے ہوئے نو حصہ دین کے حاصل کرنے چاہئیں۔ (اصول کافی ص۴۸۲) کشف الغمہ ص۳۴۱ میں بایں الفاظ مروی ہے:

قال الرضا علیہ السلام لا دین لمن لا ورع لہ ولا ایمان لمن لا تقیۃ لہ۔ فقیل یا ابن رسول اللہ الی متی قال وھو یوم خروج قائمنا فمن ترک التقیۃ قبل خروج قائمنا فلیس منا۔

امام رضا نے فرمایا جس میں تقیہ نہیں اس میں ایمان نہیں۔ عرض کیا گیا کب تک تقیہ ہے۔ فرمایا جب تک مہدی نہ آئیں جو شخص حضرت مہدی کے آنے سے پہلے تقیہ چھوڑے وہ ہم سے نہیں۔

اسی طرح اصول کافی ص۴۸۵ میں امام جعفر صادق کا ارشاد نقل ہے:۔

انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ۔

تم شیعہ لوگ ایسے دین و مذہب پر ہو۔ کہ جو شخص اس کو چھپائے گا، اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے گا۔ اللہ تعالےٰ اس کو ذلیل کرے گا۔

تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ۔

(اصول کافی ص۴۸۲ پر امام محمد باقر کا یہ قول بھی ثابت ہے۔)

دین کے دس حصّوں میں سے نو حصّے تقیہ میں ہیں (باقی سارا دین دسواں حصّہ ہے۔)

یہ شیعہ مذہب کے معتبر کتابوں کے بیشا۔ حوالوں میں سے چند حوالے ہیں جن سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ:۔

الف:۔ حضرت علیؓ اور دیگر وہ تمام اکابر جن کو شیعہ مذہب "ائمہ معصومین" کہتا ہے۔ اہل سنت کی فقہ پر ہی عمل کرتے تھے اور اپنے ماننے والوں کو بھی اس کی تاکید و وصیت فرماتے تھے۔

ب۔ شیعہ عقیدے کے مطابق امام مہدی کے آنے سے پہلے شیعی عقائد اور فقہ جعفریہ کو ظاہر کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں، بلکہ جو شخص ایسی حرکت کرے گا وہ ائمہ کرام کے دین و مذہب سے خارج ہے۔

ج:۔ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اور دیگر ائمہ کرام نے اپنے دورِ امامت میں فقہ جعفریہ کو نافذ نہیں کیا، نہ خود اس پر عمل کیا نہ شیعوں کو اس پر عمل کرنے والوں کو مخذول وملعون اور دین و ایمان سے خارج قرار دیا۔

د:۔ ائمہ کرام، فقہ جعفریہ کو تو کیا نافذ کرتے، انہوں نے قرآن مجید کی ان غلطیوں اور تحریفوں کو بھی درست کرنا جائز نہیں سمجھا۔ جو بقول شیعہ صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید میں داخل کر دی تھیں۔

کیا آج کے شیعہ حضرات حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ اہل بیت سے زیادہ مومن، دین دار، متقی اور بہادر ہیں جو فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کر کے خواہ مخواہ پاکستان میں فتنہ برپا کر رہے ہیں اور حکومت اور عوام کو پریشان کر رہے ہیں مفتی جعفر حسین وغیرہ کو خود اپنے شیعہ مذہب اور ائمہ معصومین کی ہدایات کی رو سے فقہ جعفریہ کے مطالبہ کا کوئی

حق نہیں۔ ان کا یہ مطالبہ پاکستان میں اسلامی نظام کو ناکام بنانے کی ایک سازش ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ فقہ جعفریہ کا مطالبہ اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد ہی کیوں شروع ہوا۔ اگر واقعتہً یہ شیعہ مذہب کے دین و ایمان کا تقاضہ تھا تو اس سے پہلے بھی کسی دور حکومت میں شیعہ حضرات نے یہ مطالبہ ضرور پیش کیا ہوتا۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ اس سے پہلے اس مطالبہ کا نام بھی کسی نے نہیں سنا۔ انگریزوں کے دور میں اہل سنت مجاہدین نے انگریزی طاغوت کے خلاف جہاد کیا اور بالآخر انگریز کو ملک بدر ہونے پر مجبور کر دیا۔ مگر انگریزوں کے زمانے میں شیعوں نے کبھی فقہ جعفریہ کا مطالبہ نہیں اٹھایا۔ قیام پاکستان کے بعد مسٹر لیاقت علی خان خواجہ ناظم الدین، سہروردی، غلام محمد، چوہدری محمد علی، سکندر مرزا، ایوب خان، یحییٰ خان۔ حتیٰ کہ شیعہ نواز بھٹو کے زمانے میں کبھی یہ مطالبہ سننے میں آیا۔؟ ہرگز نہیں۔ اب اسلامی نظام کا نام سنتے ہی یکایک شیعہ حضرات کی رگِ ایمانی کیوں پھڑک اٹھی۔؟ اور جوش و خروش کا لاوا کیوں پھوٹنے لگا۔؟ کیا اس پس منظر میں دیکھنے سے یہ حقیقت صاف طور پر نظر نہیں آتی کہ کوئی سازش ہے۔ شیعوں کو فقہ جعفریہ سے دلچسپی ہوتی تو وہ پہلے بھی کبھی اس کا اظہار کرتے۔ یہ فقہ جعفریہ کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے محض ملک و ملت کی عداوت اور اسلامی نظام کو ناکام بنانے کے لئے ہو رہا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ فقہ جعفریہ کی حقیقت کیا ہے۔؟ یہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے نہ حضرت علیؓ سے نہ حضرت حسینؓ کریمین سے، نہ امام زین العابدینؓ سے، نہ امام محمد باقرؒ سے اسے صرف امام جعفر صادقؒ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ واقعی ان کی فقہ ہے۔ یا ان پر افتراء و بہتان ہے۔؟ ہم سو فیصد یقین کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ فقہ ائمہ کرام کی نہیں بلکہ دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ اہل بیت کی اختراع ہے۔ جسے کذب و افترا کے طور پر امام جعفر صادق سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق اہل سنت تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے تھے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا۔ ولدنی ابوبکر مرتین۔ کشف الغمہ ص۲۲۴ مطبوعہ ایران۔

ابوبکر صدیقؓ میرے دوہرے نانا ہیں۔ کیونکہ امام جعفر صادقؒ کے نانا حضرت قاسم جناب ابوبکر صدیقؓ کے پوتے تھے امام جعفر کی نانی حضرت بی بی اسماءؓ حضرت صدیق اکبرؓ کی پوتی تھیں۔ حضرت امام جعفر صادق کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ حسب ذیل طریقے سے ملتا ہے:-

صدیق اکبرؓ	علی مرتضیٰؓ	صدیق اکبرؓ
عبدالرحمٰنؓ	حسینؓ	محمدؓ
اسماءؓ	زین العابدینؓ	قاسمؓ
ام فروہؓ	محمد باقرؒ	ام فروہؓ
والدہ	جعفر صادقؒ	والدہ

اب ہم اس حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؒ کس فقہ پہ عمل پیرا تھے ؟ ــــ آیا امام جعفر صادقؒ کو شیعوں کی نام نہاد فقہ جعفریہ سے کوئی ادنیٰ تعلق بھی ہے ؟ یا اس کے صحیح ہونے کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی ملتا ہے ۔؟ یا اس کے جائز ہونے میں صداقت کا کوئی شائبہ موجود ہے ۔ ؟ نہیں ! بالکل نہیں !! ہرگز نہیں !!!۔

پورے یقین و اطمینان کے ساتھ اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ امام جعفر صادقؒ نے نہ اس فقہ کو دیکھا ، نہ اس کو جائز و صحیح فرمایا نہ اس پر خود عمل کیا اور نہ عمل کرنے کی اجازت دی ۔ فقہ جعفریہ کے نام سے جو فقہ مشہور کی گئی ہے ۔ یہ محض دشمنانِ اسلام کی ایجاد ہے ــــــــــــــــــــــــ یہ قرآن مجید کے خلاف سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ، حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت کے طریقے کے خلاف سراسر جعلی اور کذب و افتراء کا پلندہ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب قرآن مجید ، حدیثِ نبوی اور طریقہ رسولؐ و اہل بیت کے مطابق زکوٰۃ و عشر اور حدود و تعزیرات کے نفاذ کا اعلان ہوا تو فوراً فقہ جعفریہ کا مطالبہ شروع ہوا ۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فقہ جعفریہ قرآن و سنت اور ائمہ اہل بیت کے قطعاً مخالف ہے ۔ پس اسلامی مملکت پاکستان میں قرآن و سنت اور ائمہ اہل بیت کے مقابلہ میں اسے کسطرح نافذ کیا جاسکتا ہے ۔ ؟

کون نہیں جانتا کہ امام جعفر صادقؒ اور ان کے آبائے کرام علیہم الرضوان مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے ، خود امام جعفرؒ مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے ۔ بچپن سے جوانی اور جوانی سے پیرانہ سالی تک ساری زندگی یہیں گزری ، یہیں انکا وصال ہوا اور جنت البقیع میں استراحت فرما ہوئے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے لے کر آج تک مدینہ طیبہ میں اہل سنت کی فقہ ہی نافذ العمل رہی ہے ۔ آج چودہ سو سال گزرنے پر بھی مدینہ طیبہ میں وہی دین و مذہب اور وہی احکام و تعلیمات تسلسل اور تواتر کے ساتھ محفوظ چلی آتی ہے جن پہ ہمیشہ اہل سنت کاربند رہے ۔ امام جعفر صادقؒ کی تعلیم و تربیت اور نشو و نما کا بھی انہی عقائد و احکام سے تعلق ہے ۔ اور جب وہ مسندِ ارشاد پہ فائز ہوئے تو خود بھی انہی مسائل کی تعلیم فرماتے تھے جن پہ اہل سنت عمل پیرا ہیں ۔ وہ نماز روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، اذان و اقامت ، عبادات و معاملات اور تمام امور زندگی میں اہل سنّت کے مسائل ہی پہ عمل پیرا تھے اور یہی دوسروں کو ارشاد فرماتے تھے ۔ اس لئے ان کی فقہ کے احکام و مسائل بھی وہی ہیں جو انہوں نے اپنے شاگردانِ رشید امام ابوحنیفہ ، امام مالک اور امام سفیان ثوری وغیرہ اکابر اہل سنت کو تعلیم فرمائے یہی فقہ حنفیہ درحقیقت فقہ جعفریہ ہے ، ورنہ شیعوں کی نام نہاد فقہ جعفریہ کو تو امام جعفر صادقؒ سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہے ۔ بلکہ جس طرح یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہونے کا اور نصاریٰ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے دین پہ ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں ۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی حضرت موسیٰ و حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے دین پہ نہیں اسی طرح شیعہ بھی حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف فقہ جعفریہ کو منسوب کر کے محض

افترا کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں فقہ جعفریہ کا امام جعفر صادقؒ کی طرف انتساب دو صورتوں میں صحیح ہو سکتا تھا۔ ایک تو یہ کہ انہوں نے فقہ کا کوئی مجموعہ خود تصنیف کیا ہوتا۔ یا اپنے شاگردوں کو املا کرایا ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ ان کے فقہی ارشادات معتبر راویوں کے ذریعہ نقل کئے گئے ہوتے۔ مگر شیعوں کی نام نہاد فقہ جعفریہ میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں کیونکہ اس فقہ جعفریہ کا مدار چار کتابوں پر ہے۔

اوّل :۔ کتاب الکافی ــــ مصنفہ ابو جعفر کلینی متوفی ۳۳۰ھ۔

دوم :۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ۔ مصنفہ محمد بن علی ابن بابویہ قمی متوفی ۳۸۱ھ۔

سوم :۔ کتاب استبصار۔ مصنفہ محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ۔

چہارم :۔ تہذیب الاحکام۔ (یہ بھی اسی کی تصنیف ہے)

جبکہ امام جعفر صادقؒ کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ اور ان چاروں کتابوں کو ان کی وفات کے دو تین سو سال بعد تصنیف کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہ جعفریہ پر کوئی کتاب نہ امام جعفر صادق نے تصنیف فرمائی۔ نہ دیگر ائمہ کرام میں سے کسی بزرگ نے۔

اب رہی دوسری صورت! تو ان کتابوں میں ائمہ کے اقوال جن راویوں کے حوالے سے درج کئے گئے ہیں۔ ان میں سے شیعوں کے رئیس واکابر راویوں کا حال ہم شیعوں کی معتبر کتابوں کے حوالہ سے درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ان شیعہ راویوں کی روایات کس قدر جھوٹ، افترا اور جعل سازی کا طوفان ہیں۔

۱۔ اصول کافی ص۲۳۷ میں ہے کہ عبداللہ بن یعفور نے حضرت امام جعفرؒ سے عرض کیا۔

قلت لابی عبد اللہ علیہ السلام انی	میں لوگوں سے ملتا ہوں تو مجھ کو بڑا تعجب ہوتا
اخالط الناس، فیکثر عجبی من	ہے کہ جو لوگ آپ سے ولایت اور دوستی
اقوام لایتولونکم ویتولون فلاناً	کا تعلق نہیں رکھتے بلکہ فلاں فلاں سے۔
وفلاناً لھم امانتہ وصدق ووفا	(صحابۂ کرام اور خلفاء راشدین سے۔)
واقوام یتولونکم لیس لھم تلک	دوستی رکھتے ہیں۔ ان میں صدق وامانت
الامانتہ والوفاء لاالصدق۔	بھی ہے اور وفا بھی۔ مگر جو لوگ آپ سے

دوستی کا دم بھرتے ہیں ان میں نہ امانت ہے نہ وفا نہ صدق۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ شیعہ راوی جو ائمہ کرام کی ولایت کے نعرے لگاتے تھے۔ وہ صدق وراستی اور امانت ووفا کی صفات سے محروم تھے۔

۲۔ شیعہ راویوں میں دیانت وامانت اور صدق وراستی کے فقدان کا نتیجہ تھا کہ وہ بے سروپا متضاد اور متعارض باتیں خود تصنیف کر کے ائمہ کرام کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے، اور جب ان پر "دروغ گورا حافظہ نباشد" کی مثل صادق آتی تو وہ یہ تاویل کیا کرتے تھے کہ ائمہ کرامؒ خود ہی ایک ایک سوال کے کئی متضاد ومتعارض جواب دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی ص۳۷ میں زرارہ سے روایت ہے کہ :۔

عن زرارة بن اعين عن ابي جعفر	میں نے امام محمد باقرؒ سے ایک مسئلہ پوچھا
قال سألته، عن مسئلة فاجابني	تو انہوں نے مجھے اور جواب دیا۔ پھر ایک
ثم جاءه رجل فسألـه عنها فاجابه	اور آدمی نے ان سے وہی مسئلہ پوچھا تو
بخلاف ما اجابني ثم جاءه آخر فاجابه	اس کو انہوں نے میرے جواب کے برخلاف
بخلاف ما اجابني واجاب صاحبي فلما	جواب دیا اور پھر ایک اور آدمی آیا اور اس
خرج رجلان قلت يا ابن رسول الله!	نے بھی وہی مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے
رجلان من اهل العراق من شيعتكم	اس کو مسئلہ اور ہی طرح بتایا جو نہ مجھے بتایا
قدما يسئلان فاجبت كل واحد	تھا نہ دوسرے آدمی کو۔ جب وہ دونوں
بغير ما اجبت صاحبه. فقال يا زرارة	آدمی چلے گئے تو میں نے عرض کیا۔ اے صاحب
هذا خير لنا والبقي لنا ولكم۔	زادۂ رسولؐ! یہ دونوں آدمی تمہارے اہل عراق

کے شیعہ تھے انہوں نے مسئلہ ایک ہی پوچھا مگر آپ نے مجھے کچھ اور بتایا اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو الگ الگ جواب دیا؟ آپ نے فرمایا: اے زرارہ! یہی بات ہمارے لئے بہتر ہے۔ اور ہماری اور تمہاری بقا کی ضامن ہے۔

گویا زرارہ صاحب نے مسائل شرعیہ کے گڑبڑ کرنے اور ہر شخص کو الٹ پلٹ جواب دینے کی ساری ذمہ داری امام پر ڈال دی۔ اس طرح کی بہت سی روایات اصول کافی میں ان راویوں نے ائمہ معصومین کیطرف منسوب کر کے اپنے جھوٹ اور غلط بیانی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

۳۔ خود ائمہ کرام بھی ان شیعوں کے راویوں کے جھوٹ اور افترار پردازی سے نالاں تھے، چنانچہ رجال کشی ص۹۰ (جو شیعہ راویوں کے حالات پر مشتمل شیعوں کی بہت ہی معتبر کتاب مانی گئی ہے) میں مرقوم ہے کہ ایک شخص فیض ابن مختار حضرت امام جعفرؒ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا :۔

جعلني الله فداك ما هذا الاختلاف	میں آپ پر قربان! یہ آپ کے شیعوں میں
الذي بين شيعتكم اني لاجلس في	اختلاف کیسا ہے؟ میں کوفہ میں ان کی

حلقهم بالكوفة فاكا واشك فى اختلافهم فى حديثهم.... فقال ابو عبد الله عليه السلام اجل هو كما ذكرت يا فيض. الناس اولعوا بالكذب علينا...... وانى احدثهم بالحديث فلا يخرج عن عندى حتى يتاوله على غير تاويله۔ ...

مجلسوں میں بیٹھتا ہوں تو مجھے ان کی حدیثوں کے اختلاف کی وجہ سے شک سا پیدا ہو جاتا ہے۔ امام نے فرمایا۔ فیض! تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ شیعہ راوی ہم پر جھوٹ باندھنے کے بڑے حریص ہیں۔ میں ان سے کوئی بات کہتا ہوں تو وہ باہر جاکر اس کے مطلب خود بخود گھڑ گھڑ کر بیان کرنے لگتے ہیں۔

۴۔ شیعہ راوی یوں تو علی العموم ائمہ کی طرف جھوٹ موٹ باتیں منسوب کرنے میں مشاق تھے۔ مگر ان میں زرارہ ابوبصیر وغیرہ جو بیشتر شیعہ روایات کے راوی ہیں، ذرا ان کی حالت ملاحظہ ہو۔

رجال کشی ص۹۰ میں زرارہ کے متعلق تو یہاں تک لکھا ہے کہ امام جعفرؒ نے فرمایا:

رحم الله زرارة ابن اعين لولا زرارة ونظرائه لاندرست احاديث ابى۔ ...

اللہ تعالیٰ زرارہ بن امین پر رحم فرمائے اگر زرارہ اور اس جیسے لوگ نہ ہوتے تو میرے باپ (امام محمد باقر) کی حدیثیں تو مٹ ہی جاتیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام باقرؒ کی روایات کا سارا مدار ہی گویا صرف زرارہ پر ہے۔ بلکہ زرارہ صاحب کو تو یہاں تک دعوٰی ہے کہ امام مجھے مدینہ منورہ میں ایک مخصوص ساعت گھنٹہ دو گھنٹہ ظہر و عصر کے مابین خلوت میں حاضری کا موقعہ دیتے تھے جس میں دوسرا کوئی آدمی شریک نہیں ہوتا تھا اور اس خلوت میں مجھے اصلی دین سکھایا کرتے تھے۔ (فروع کافی جلد ۳ ص۵۲)

غور فرمائیے زرارہ صاحب کے بقول امام دن کے تئیس گھنٹوں میں تو لباس تقیہ میں ملبوس رہتے تھے اور ہر عمل اہل سنت کے طریقے پر ادا فرماتے تھے۔ صرف چوبیس گھنٹہ میں زرارہ صاحب کو صحیح عمل بتایا کرتے تھے، یعنی امام کا سارا دن کفر و ضلالت پر (نعوذ باللہ) عمل کرتے گزرتا اور وہ دوسروں کو بھی دن رات کفر و ضلالت ہی کی تعلیم دیا کرتے۔ مگر ایک گھنٹہ کے لئے زرارہ صاحب کو الگ کوٹھڑی میں لے جاکر سچا دین سکھایا کرتے تھے۔ استغفراللہ کیا اس روایت سے یہ یقین نہیں ہو جاتا کہ امام اس چوبیس گھنٹے میں وہی بتاتے سکھاتے تھے۔ جو ان کا شب و روز کی زندگی کا اپنا معمول تھا۔ اور وہ اہل سنت ہی کا دین و ایمان اور سنت و طریقہ رکھتے تھے۔ یہ ایک گھنٹہ کی تنہائی

میں دوسری قسم کے مسائل بنانے کا الزام، زرارہ صاحب کا امام پر خالص بہتان ہے اور یہ افترا صرف اپنے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے گھڑا گیا۔

۵۔ اسی زرارہ صاحب کے بارے میں رجال کشی ص۱۰۱ میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق ؒ نے فرمایا:۔

لاتبال وان مرض فلا تعده وان مات فلا تشهد جنازته۔

زرارہ کی پرواہ مت کرو، وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت نہ کرو، مرے تو اس کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

قلت زرارة متعجباً قال نعم زرارة شر من الیهود والنصاریٰ۔ ...

میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ زرارۃ کے بارے میں فرما رہے ہیں! فرمایا ہاں! زرارہ یہود و نصاریٰ سے بدتر ہے۔

نیز اسی رجال کشی ص۱۰۱ میں ہے کہ مجلس میں زرارہ کا کوئی تذکرہ بھی نہیں تھا مگر امام جعفر صادق ؒ نے از خود فرمایا کہ:۔

لعن الله زرارة لعن الله زرارة لعن الله زرارة۔ ثلث مرات۔

اللہ تعالیٰ زرارہ پر لعنت کرے۔ لعنت کرے۔ لعنت کرے۔ تین بار فرمایا۔

اگر امام زرارہ صاحب کو یہود و نصاریٰ سے بدتر اور ملعون سمجھتے تھے تو زرارہ صاحب کو یہود و نصاریٰ سے بدتر اور ملعون سمجھتے تھے تو زرارہ صاحب بھی اماموں سے ناشائستہ اور اہانت آمیز سلوک بڑی بے تکلفی سے کیا کرتا تھا۔ رجال کشی ص۱۰۱ میں زرارہ کا بیان نقل کیا ہے۔ امام جعفر ؒ تین دن تک التحیات کا بیان اہل سنت کے طریقے پر بیان کرتے رہے تیسرے دن:

فلما خرجت ضرطت فی لحیته وقلت لا یفلح ابداً۔

جب میں نکلا تو زور سے امام کی داڑھی میں پاد ا، اور انہوں نے کہا اس کا کبھی بھلا نہ ہوگا۔

امام جعفر صادق ؒ سے تو زرارہ نے یہ اوباشانہ سلوک کیا اور خیر اور بھلائی سے انہیں محروم بتایا۔ مگر ان کے والد ماجد امام محمد باقر ؒ کے بارے میں تو زرارہ صاحب بے علم اور جاہل تک کے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ اصول کافی ص۵۵ میں زرارہ کا قول نقل کیا ہے۔

قال قلت فی نفسی شیخ لا علم له بالخصومة۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بڈھا ہے جسے بحث و مناظرہ کا علم نہیں۔

خلیل قزوینی نے اصول کافی کی شرح صافی میں اس فقرے کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ "این پیر بے دماغ شدہ نمے داند روش گفتگو با خصم۔" (یہ بڈھا دماغ سے خالی ہوگیا ہے اس کو یہی معلوم نہیں کہ حریف سے گفتگو کیسے کیا کرتے ہیں۔)

۶۔ فقہ جعفریہ کا ایک بہت بڑا راوی ابوبصیر ہے۔ رجال کشی ص۱۱۶ میں اس کے بارے میں لکھا ہے :

جلس ابوبصیر علی باب ابی عبد اللہ علیہ السلام لیطلب الاذن فلم یؤذن لہ فقال لو کان لنا طبق لاذن فجاء کلب فشغر فی وجہ ابی بصیر قال اف اف ما ھذا ؟ قال جلیسہ ھذا کلب شغر فی وجھك ۔	ابوبصیر امام جعفرؑ کے دروازے پر اجازت نہ ملی تو بولا : اگر ہم ہدیہ کا تھال بھر کر لاتے تو ہمیں اجازت بھی مل جاتی ۔ اتنے میں ایک کتا آیا اور اس نے ٹانگ اٹھا کر ابوبصیر کے منہ پر پیشاب کر دیا (یہ صاحب آنکھوں سے بھی اندھے تھے) اپنے ساتھی سے پوچھا یہ کیا ہے ؟ ساتھی نے کہا یہ کتا تھا جو تیرے منہ پر پیشاب کر گیا۔

یعنی ابوبصیر نے امام کو طماع اور لالچی کہا قدرت نے اس کے ناپاک جملے کی سزا بھی [illegible] دست بدست دلادی۔

یہ ابوبصیر، امام جعفر صادق کے صاحبزادے امام موسیٰ کاظم کو بھی ناقص العلم کہا کرتا تھا۔ رجال کشی ص[illegible] میں ہے :

فضرب بیدہ علی صدرہ یحکھا اظن صاحبنا ما تکامل علمہ ...	ابوبصیر نے اپنا ہاتھ سینے پر مار کر کھجلاتے ہوئے کہا میرا خیال ہے کہ ہمارے ان صاحب کا علم کامل نہیں ہوا۔

یہ ہیں وہ شیعہ راوی جو ایک طرف ائمہ کی عصمت مثل انبیاء بھی بیان کرتے تھے اور دوسری طرف ائمہ پر اعتراضات اور طعن و تشنیع ہی نہیں بلکہ ان کی شان میں بے ہودہ گستاخیاں بھی کیا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مشن ائمہ کی طرف غلط سلط باتیں منسوب کر کے انہیں بدنام اور رسوا کرنا تھا ورنہ ان کے دل میں ائمہ کی عقیدت و احترام کا ایک شمہ بھی نہیں تھا۔

۷۔ ائمہ کرام کو بھی معلوم تھا کہ جتنے لوگ ان کے شیعہ ہونے کا دم بھرتے ہیں یہ محض زبانی جمع خرچ ہے۔ ورنہ ان میں مخلص ایک بھی نہیں۔ بلکہ یہ سب خود غرضی کی نمائش ہے۔ چنانچہ کتاب الروضہ فروع کافی ص۱۰۰ میں امام موسیٰ کاظمؒ کا ارشاد نقل کیا ہے۔

لو میزت شیعتی ما وجدتھم الا واصفۃ ولو امتحنتھم لما وجدتھم الا مرتدین۔	اگر میں اپنے شیعوں کو چھانٹ کر دیکھوں تو صرف زبانی تعریفیں کرنے والے ملیں گے اور اگر ان کا امتحان لوں تو سب مرتد نکلیں گے۔

۸۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کوئی شیعہ ائمہ کرام کے ساتھ ہوگا اور نہ امام کسی شیعہ کے ساتھ ہوں گے۔ بلکہ امام شیعوں سے برأت ولاتعلقی کا اظہار کریں گے۔ اور شیعہ اماموں سے بری ہوں گے تفسیر قمی ص۳۴۲ میں ہے:

اذا کان یوم القیامۃ تبرأ کل امام	جب قیامت کا دن ہوگا تو ہر امام اپنے
من شیعتہ وتبرأت کل شیعۃ	شیعوں سے برأت کا اظہار کرے گا۔ اور
من امامھا۔	ہر شیعہ اپنے اماموں سے بری ہوگا۔

اب انصاف فرمائیے کہ جن شیعہ راویوں نے فقہ جعفریہ کو جنم دیا جب وہ ائمہ کو گمراہی میں رہنے والے گمراہی سکھانے والے اختلاف کرانے والے طامع، لالچی اور ناقص العلوم سمجھتے تھے اور ان کی شان میں صریح گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے تھے۔ اور ائمہ کرامؒ ان کو ملعون، یہود و نصاریٰ سے بدتر جھوٹے۔ خودغرض اور مرتد تصور کرتے تھے تو کیا اس فقہ کو ائمہ کرام خصوصاً امام جعفر صادقؒ سے کوئی دور کا واسطہ بھی ہو سکتا ہے۔

فیصلہ کن بات

اب آخری فیصلہ کن بات یہ ہے کہ اگر شیعہ حضرات پوری دیانت داری سے اس فقہ کو اپنے خیال میں حضرت امام جعفر صادقؒ کی اصل فقہ سمجھتے ہیں تو پھر انہیں اذان سے "علی ولی اللہ وصی رسول وخلیفہ بلافصل" کا فقرہ حذف کر دینا چاہئے کیونکہ یہ فقہ جعفریہ سے ثابت نہیں۔ کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ "یہ فقرہ مفوضہ نے ایزاد کیا ہے۔ خدا کی ان پر لعنت ہو" (من لایحضرہ الفقیہ ص۹۵)

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کلمہ طیبہ میں یا اذان میں "علیؓ ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفہ بلافصل" کا فقرہ پڑھاتے ہیں اور وہ اسے ایمانیات کا جزو تصور کرتے ہیں وہ فقہ جعفریہ کی رو سے لعنت خداوندی کے مستحق ہیں اس لئے کہ بارہ اماموں سے کسی امام نے نہ یہ کلمہ پڑھا اور نہ اس کے اضافے کی اجازت دی۔ بلکہ یہ اس ملعون مفوضہ ٹولے کی حرکت ہے جس نے اسلام کی اذان کو بھی جھوٹ سے پاک نہیں رہنے دیا۔ اسی طرح تعزیہ، تابوت، علم، دلدل وغیرہ امام جعفر صادقؒ یا کسی اور امام نے نہ نکالا نہ کسی کو اس کا حکم دیا۔ نہ ان خرافات کی اجازت دی۔

پس اگر شیعہ حضرات دیانتداری سے فقہ جعفریہ کے پابند ہیں تو کلمہ اور اذان میں اضافہ اور تعزیہ تابوت، علم، دلدل وغیرہ کی رسمیں فوراً چھوڑ دیں ورنہ فقہ جعفریہ کا نعرہ لگا کر خواہ مخواہ فتنہ و فساد برپا نہ کریں۔
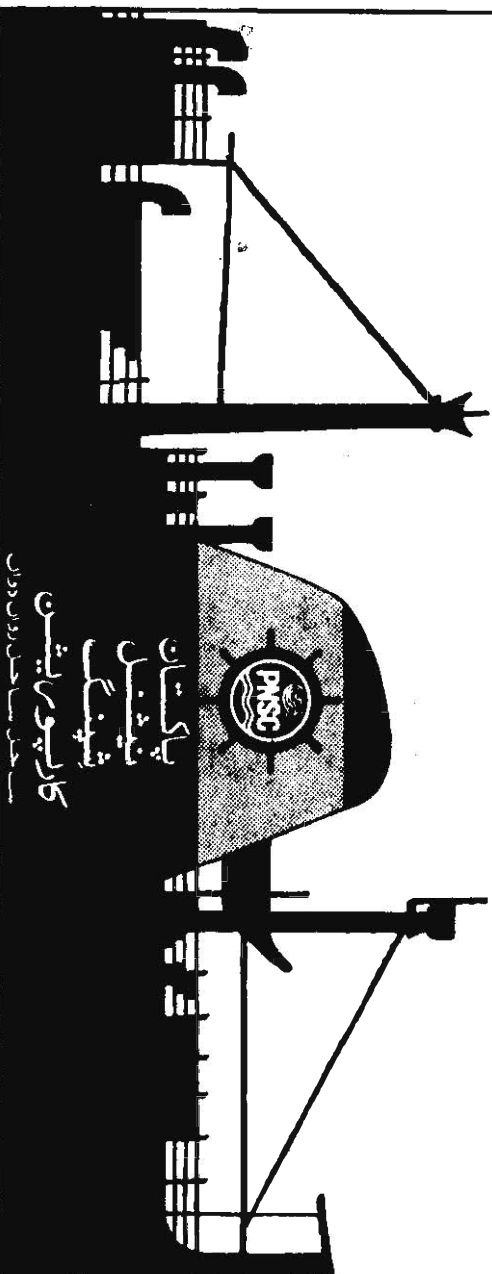
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

ابن اذس

پاکستان میں اسلام کا مستقبل

اہلِ سنّت اور اصحابِ حدیث کے لئے ایک لمحۂ فکریہ

پاکستان کا قیام وجود میں آیا تو اس بارے میں کوئی اختلاف نہ تھا کہ پاکستان (مغربی و مشرقی دونوں بازوؤں) کی قومی زبان اردو ہوگی۔ پاکستان کے تمام مسلمان ایک ہی امت مسلمہ کے برگ و بار ہیں اور قومیت کا ایک ہی رشتہ انسلاک رکھتے ہیں۔ پاکستان میں ایک مسلم ثقافت و تہذیب فروغ پائے گی۔ اور مسلمان تمام دوسرے نظاموں اور ازموں سے نجات حاصل کر کے صرف اسلامی نظام کے زیرِ سایہ امن و عافیت کی زندگی گزاریں گے۔ یہی پاکستان کا مقصد تھا اور اسی کو آپ پاکستان کا نظریہ کہہ لیجئے ۱۹۴۷ء کے بعد بھی نظریہ ہماری منزل تھی۔ قرار داد مقاصد نے اس منزل کی نشان دہی کی تھی۔ اس کے لئے مختلف مکاتیب فکر کے علماء نے متفقہ طور پر بنیادی نکات کا تعین کیا تھا اور ون یونٹ کے قیام تک یہی نظریہ ہمارا قومی نصب العین رہا۔ لیکن پھر شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے شدید اختلاف اور انتشار کے نتیجے میں پہلے تو ملک کے دونوں بازوؤں کے لئے بنگلہ اور اردو دو قومی زبانیں بن گئیں اور پھر جب ایک قومی حادثے کے بعد پاکستان صرف مغربی پاکستان کا نام رہ گیا تب بھی انگریزی نے ہماری قومی زندگی میں وہ جگہ خالی نہیں کی جس کی مستحق اردو تھی۔

ملت اور قومیت کا طے شدہ مسئلہ بھی اختلاف کی نذر ہوگیا۔ اب پاکستان میں ملت مسلمہ کے مقابلے میں "ملّت جعفریہ" بھی ہے جس کا کلمہ الگ ہے قرآن کے ناقص اور محرّف ہونے کا عقیدہ رکھتی ہیں۔ صحاح ستہ کے کسی مجموعے کی صحت پر اس کا یقین نہیں۔ اذان اس کی مختلف۔ نماز اس کی الگ۔ نہ اس نے دینیات اور نصاب جو فقہ کے تفصیلی مسائل کے بجائے قرآن کے مجملی احکام اور اخلاق پر مبنی ہے۔ مسلمان بچوں کے ساتھ ایک استاد سے پڑھنا گوارا کیا۔ پورا مذہبی اور معاشرتی نظام ان کا الگ۔ سماجی ادارے اور امدادی و تعلیمی انجمنیں ان کی الگ۔ غرضیکہ مذہب سے لے کر معاشرت تک زندگی کے ہر شعبہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خدا نے حکم دیا تھا کہ تمہارے مابین کسی امر میں اختلاف پیدا ہو جائے تو میری کتاب (قرآن) اور اسوۂ حسنۂ رسولؐ کی طرف رجوع کرنا۔ تمہارے اختلاف کا حل تمہیں مل جائے گا۔ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ دنیا کی ہر تجویز اور ہر قرارداد پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ ہر جماعت اپنے موقف پر نظرثانی کر سکتی ہے۔ لیکن کسی دینی کام۔ اسلامی نظام یا حدود و تعزیرات کے نفاذ و قیام

ہیں ملت جعفریہ جسے ہم آج تک امت مسلمہ کے شجر طیبہ کی ایک ہی شاخ سمجھتے رہے تھے۔ قرآن کو "حکم" نہیں بنا سکتی۔ پھر کیا اس کے بارے میں ہمارا تصور غلط تھا۔ کیا رواداری کے جذبے میں ہم نے کچھ حقائق سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کیا آج امت مسلمہ کا رویہ غلط ہے، یا "ملت جعفریہ" آج کسی غلطی کا ارتکاب کر رہی ہے؟

پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا جس کے قیام میں مسلمانوں نے جان و مال کی عظیم الشان قربانیاں دی تھیں اس کے دو ٹکڑے ہو چکے ہیں اس کے وجود کا ایک حصہ ایک نئے ملک بنگلہ دیش کی شکل اختیار کر چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک نئی بنگلہ دیشی قوم وجود میں آ چکی ہے اور جو حصہ رہ گیا ہے اس میں کراچی اور سرائیکی کے دو صوبوں اور عظیم پنجاب، گریٹ بلوچستان، سندھو دیش اور پختونستان کے نام سے چار ملکوں کی تحریکیں موجود ہیں خواہ وہ کسی درجے میں ہوں۔

اب یہ حقیقت بھی متنازع ہے کہ پاکستان میں ایک قوم اپنے بعض علاقائی خصائص کے ساتھ آباد ہے۔ اور انہی علاقائی خصائص کو پنجابی، سندھی، پختون اور بلوچی کے نام دئے گئے ہیں۔ اب انداز فکر یہ ہے کہ یہاں چار، پانچ یا چھ قومیں آباد ہیں جنہیں مخصوص جغرافیائی حالات اور بعض مشترک سیاسی مفادات نے متحد کر دیا ہے اور اگر حالات وقت کا تقاضا ہو گا تو یہ ایک دوسرے سے الگ بھی ہو جائیں گی۔

اسی طرح اسلامی تہذیب و ثقافت کے امتیازات اور تعریف و تاریخ پر پہلے سب متفق تھے لیکن اب نہ اس کی تاریخ پر سب متفق ہیں نہ اس کے خصائص پر سب کا اتفاق ہے۔ مسئلہ یہ پیش آ گیا ہے کہ اس کی تاریخ محمد بن قاسم اور صوفیہ و مشائخ کی سیر و تعلیمات کے حوالے سے اوائل اسلام سے شروع کی جائے یا موئن جو ڈرو اور ہڑپا کے حوالے سے اسی علاقے کی قدیم تہذیب و تمدن سے اس کا آغاز کیا جائے؟ موئن جو ڈرو اور ہڑپا کی قدیم تہذیبیں تاریخ کے لحاظ سے بلاشبہ بڑی قیمتی چیز دریافت ہوئی ہیں لیکن اس بارے میں تو کوئی شبہ ہے نہ اختلاف کہ اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں ان کی قدر و قیمت بے اندازہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اسلامی جمہوریہ کی تاریخ سے ان کا کیا تعلق؟

اسلامی تہذیب کے خصائص کے تعین کے لئے کوششوں کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ رقص و موسیقی کو نہ صرف مسلمانوں کے ایک طبقہ کے اعمال اور نہ صرف اسے مسلمانوں کا فن ثابت کیا جاتا ہے، اس کے لئے شرعی جواز تلاش کیا جاتا ہے اور مسلمان خلفاء کی سرپرستی میں بیش از بیش ترقی پر کتابیں اور مقالے لکھے جاتے ہیں۔

پھر یہ خیال رہے کہ رقص و موسیقی کا مطلب صرف جوش مسرت میں بچوں یا نوجوانوں کا اچھل کود لینا اور "دف" کے سادہ ساز پر کسی نغمے کا گانے اور نغمے کے ساتھ الاپ لینا نہیں۔ بلکہ وہ رقص و موسیقی مراد لی جاتی ہے جس کی یورپ سے باقاعدہ تربیت حاصل کی جاتی ہے اور جس کے ہوش ربا اور ایمان سوز مناظر کبھی کبھی بعض فلموں یا شبینہ کلبوں میں نظر آتے ہیں اور جس کے فروغ و تربیت کے لئے ملک میں پچاسوں ادارے قائم ہیں جنہیں حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور لاکھوں روپے سالانہ انہیں مالی امداد دی جاتی ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ تحریک پاکستان کے دور میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے تحفظ و

فروغ کا دعویٰ غیر حقیقی اور جوش و جذبات پر مبنی تھا؟ کیا یہ فریب تھا؟ کیا یہ ایک وقتی نعرہ تھا یا آج ہم نے ٹھوکر کھائی ہے اور مہر رشتہ فکر ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے؟ اب آپ اسلامی نظام کی تعبیر پر نظر ڈال لیجئے۔ اصحاب حدیث نے اپنے لئے فکر و نظر کا جو بلند آشیاں منتخب کیا ہے وہ اس سے نیچے نظر ڈالنے کے لئے تیار نہیں۔ اہل سنت نے اپنے لئے جو مقام پسند کیا ہے وہ اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ ان میں دیوبندی اور بریلوی دو مکتبۂ فکر ہیں اور ان میں سے ایک مکتبۂ فکر کے ارباب بست و کشاد دوسرے کو شکست دینے کے لئے ہر دشمن اسلام قوت اور ملحدانہ فکر رکھنے والی جماعت سے اتحاد و تعاون کے رشتے استوار کر سکتے ہیں لیکن دوسرے مکتبۂ فکر کی کامیابی اور ان کا اقتدار انہیں کسی حال میں گوارا نہیں۔ ملتِ جعفریہ نے اپنی راہ ان سے الگ کر لی ہے اب وہ اپنے لئے نہ صرف الگ پرسنل لا کی طالب ہے بلکہ اپنے لئے علیحدہ سول لا کے حق کو منوا کر ایک متوازی حکومت قائم کرنے کی متمنی ہے۔

اب آپ مذہبی اور دینی نقطۂ نظر رکھنے والے مخلصین کے مقابلے میں جو تقریباً تمام قومی اتحاد میں شامل ہیں ان لوگوں کو دیکھئے جو اگرچہ اسلامی نظام کا نام بھی لیتے ہیں اور اسماً اور نسلاً مسلمان بھی ہیں لیکن ان کا خیال ہے اور شاید نہایت اخلاص و دیانت کے ساتھ خیال ہے کہ پاکستان کا مسئلہ اسلام کا نہیں روٹی، کپڑے اور غربت و افلاس کا ہے۔ پاکستان کا اسلامی ملک کہلانے کے لئے اتنا کافی ہے کہ یہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ یہ تمام جماعتیں اگرچہ تنظیماً الگ الگ ہیں لیکن جوں جوں انتخاب قریب آرہا ہے ایک دوسرے کے قریب ہوتی جارہی ہیں۔ اور اگرچہ ان کے مابین اختلافات بھی ہیں لیکن اسلامی نظام کے نفاذ کی تحریک کے مقابلے میں سب ایک ہیں۔

ان میں سے ایک جماعت اہل سنّت اور اصحاب حدیث کی (جو قومی اتحاد میں بھی ہیں اور حکومت کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھ میں ہے) انتقاماً مخالف ہے اور اگرچہ انتقام کا جذبہ غلط ہے لیکن اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا کئی چھوٹی چھوٹی جماعتیں جو حال ہی میں وجود میں آئی ہیں اسی انتقامی تحریک کے مختلف محاذ ہیں۔

ان میں سے بعض جماعتیں اصولاً اور نظریاً اسلامی نفاذ کے خلاف ہیں۔ وہ اسلام کے مقابلے میں ایک دوسرے نظام پر یقین رکھتی ہیں۔ اس لئے انہیں بھی اسلامی نظام کے داعی خواہ وہ قومی اتحاد کی شکل میں ہوں خواہ برسر اقتدار جماعت کی صورت میں ہوں ہرگز گوارا نہیں۔

ان میں سے بعض جماعتیں حصول اقتدار کے لئے بہت بے چین اور قومی اتحاد اور حکومت دونوں سے نبرد آزما ہیں۔ اگرچہ اس درجے کی جماعتوں میں اکثریت اہل سنّت ہی کی ہے لیکن ان کے مساعی اور آراء کا وزن خود ان کے خلاف استعمال ہورہا ہے۔

چند اور جماعتیں اور گروہ بھی ہیں۔ ان میں سے کاروباری جماعتیں ہیں وہ اس سے بے نیاز ہیں کہ پاکستان میں اسلام کا مستقبل کیا ہو ان کی مذہبی عقیدتوں کا مرکز بھی پاکستان سے باہر ہے۔

غیر مسلم اقلیتیں بھی اپنا مفاد نظریاتی مملکت اور اسلامی جمہوریہ کے بجائے سیکولر اسٹیٹ اور لادینی حکومت کے قیام میں پاتی ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کا وزن اہلِ سنت اور اصحابِ حدیث کے مخالف پلڑے میں ڈال دیا ہے۔

اب اپنے لئے پرسنل لاء اور سول لاء الگ بنوانے والوں نے بھی محسوس کر لیا ہے کہ ان کی زندگی کا دارومدار قومی اتحاد اور حکومت کی مخالف پارٹیوں سے اتحاد و اتفاق میں ہے۔ اس احساس و اختلاف کا نتیجہ بھی ہمارے سامنے آچکا ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ زکوٰۃ و عشر اور اسلامی حدود و تعزیرات کے قیام و نفاذ کا جو اعلان یکم جولائی کو ہونے والا تھا وہ ملتوی ہو گیا۔ بانی پاکستان کے مزار کے ساتھ اسلامی دارالعلوم اور جامع مسجد کی تعمیر کا منصوبہ پہلے سے با ایں احساس و خطر معرضِ التوا میں ڈال دیا گیا کہ ان پر قبضہ لازماً اکثریت کا ہوگا اور یہ انہیں کسی قیمت پر گوارا نہیں۔

آج کل پاکستان میں صرف دو گروپ ہیں ایک طرف قومی اتحاد اور حکومت ہے جس میں اہل سنت اور اصحابِ حدیث کی اکثریت ہے۔ ان کے مقابلے میں دوسری جماعتیں ہیں جو قومی اتحاد اور حکومت کو شکست دینے کے معاملے میں الگ الگ ہونے کے باوجود متحد و متفق ہیں اور اس عظیم مقصد اور جہاد میں اپنی سعی و اخلاص کے ثبوت کے لئے ہر جماعت ایک دوسری سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے۔ بلکہ جہاں تک حکومت کو ناکام بنانے، اسے شکست دینے کے اور ہر معاملے میں اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دینے کا تعلق آج کل قومی اتحاد سب سے زیادہ مستعد نظر آتا ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ اس کا نقصان کس کو پہنچ رہا ہے اور فائدہ کون اٹھا رہا ہے؟

ملک کے موجودہ حالات اور اس صورت میں کہ انتخابات کی تاریخ قریب آرہی ہے اہل سنّت اور اصحاب حدیث کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے ان حالات میں کام کا پہلا مرحلہ تو یہ ہے کہ ملک کی تمام جماعتیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی اور سمجھتی ہیں خواہ ان کے عقیدے کے مطابق وہ انتہائی گناہ گار اور صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہوں، اپنے تمام اختلافات سے صرف نظر کر کے اسلام کے روشن مستقبل اور ملک کے بہترین مفاد میں باہم دگر متحد و متفق ہو جائیں لیکن اگر وہ اس بات سے متفق ہوں کہ اب یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا اور وہ اس سراب کے پیچھے بھاگ کر اپنی بہترین صلاحیتوں اور قیمتی وقت کا ضیاع کریں گے تو پھر اہلِ سنت کے دیوبندی اور بریلوی دونوں مکاتبِ فکر اپنے اختلافات بھلا دیں۔ اسی طرح اصحابِ حدیث کو اپنی تمام صلاحیتوں اور منتشر اعضا کو مجتمع کر لینے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد اہلِ سنّت اور اصحابِ حدیث کی جماعتوں کو اپنے تمام تعصبات بھلا کر اور اپنی تنگ نظریوں کو چھوڑ کر یک جان و دو قالب بن جانا چاہئے۔ ان سب کا کلمہ ایک ہے اور قرآن حکیم کی جامع اور مکمل ہدایت اور اسوۂ حسنہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی پر یقین رکھتے ہیں جب وہ قرآن و سنّت کی روشنی کو لے کر زندگی کی راہوں میں آگے بڑھیں گے۔ تو وہ تعلیمات اسلامی اور مصالح ملی کے ایک ہی کلمہ سواء تک پہنچ جائیں گے۔ اسی میں ان کی نجات ہے اور یہی ان کی کامیابی کی ضمانت ہے ٭

مولانا عبدالعزیز مظاہری ایم، اے
حال جمرود ایجنسی

مولانا اسعد اللہ صاحب مظاہریؒ
ہمارے اُستاذ

"الحق" کے تازہ شمارے سے حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب کی وفات کا علم ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ مرحوم جناب مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری کے نواسے اور مظاہر علوم کے شیخ الادب تھے۔ آپ اپنی ذات میں مجموعۂ کمالات تھے۔ آپ بیک وقت فقیہہ، متکلم، مناظر، ادیب اور شاعر تھے۔ شعر و شاعری میں ان کے بیشمار تلامذہ تھے۔ مدیر بیباک محمد زکریا صاحب نے ان سے تلمذ کی بنا پر اسعدی تخلص اختیار کیا تھا۔ میں نے ان کی حوصلہ افزائی سے اردو میں مشق شروع کی تھی مگر جاری نہ رہ سکی۔

مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں ان کے ادنیٰ تلامذہ میں سے ہوں اور مجھ پر ان کی خاص نظر عنایت و شفقت رہی ہے۔ ایک مرتبہ تعطیلات میں میں نے ان سے اقلیدس شروع کی، رمضان کا مہینہ تھا عشرہ اواخر میں مجھے سنت کفایہ ادا کرنے کی خاطر معتکف ہونا پڑا۔ تو حضرت مولانا مجھے پڑھانے کے لئے میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ انہوں نے اوائل و اواخر کی ایک خصوصی سند بھی مجھے عطا فرمائی ہے جو میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ میں نے اپنی طالب علمی کا زمانہ حد درجہ لاابالی پن میں گذارا ہے۔ نہ مطالعہ، نہ تکرار اور نہ اساتذہ کی تقریروں کی طرف توجہ دیتا تھا۔ میرا زیادہ وقت محمد علی جوہر لائبریری میں یا بازاروں اور سٹیشن پر گھومنے میں گذرتا تھا حضرت مولانا میری ان عادتوں سے واقف تھے۔ ایک دن بلا کر نصیحت کی اور فرمایا کہ تم نے یہاں آ کر کچھ سیکھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی ہے جو کچھ تمہیں آتا ہے وہ تم سے خود بخود چمٹ گیا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی عادتیں دوسرے اساتذہ سے مختلف تھیں ہم نے انہیں کبھی پان کھاتے نہیں دیکھا اگرچہ وہ پان کھاتے تھے۔ اسی طرح دوران درس میں ایک پیالی چائے نوش فرمایا کرتے تھے۔ قہوہ پینے کا ہندوستان میں رواج نہیں تھا لیکن مولانا نے ایک آدھ مرتبہ ہمارے ہاں قہوہ نوش فرمایا تھا اور پسند بھی کیا تھا۔ ان ہی کی فرمائش پر میں نے ان کے لئے "گل نسرین" کے ڈبے یہاں سے منگوائے تھے۔

مرحوم کی طبیعت میں غصہ زیادہ تھا۔ دوران درس اگر کسی طالب علم کی کوئی حرکت ناگوار گذرتی تو فوراً درس بند کر

لیتے تھے اور جیب سے تسبیح کی مالا نکال کر تسبیح پڑھنے لگ جاتے۔ کچھ دیر کے بعد اپنے مخصوص انداز میں چغد، نالائق، گدھا، خبیث وغیرہ کی گردان کر کے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ جناب مولانا محمد علی صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے ان الفاظ کو گردانِ صغیر اور گردانِ کبیر کا نام دیا تھا۔ گا، زاور چغد ان کے پیارے الفاظ تھے۔

ایک مرتبہ ہم حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ملاں جی ڈاک لے آئے۔ آپ نے خطوط ملاحظہ کئے۔ ایک خط مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کے نام کا تھا۔ مولانا نے فوراً قلم اٹھا کر ان کے نام کے ساتھ گا ز لکھ دیا اور خط ملاں جی کے حوالے کر دیا (مفتی صاحب آپ کے شاگرد رہ چکے ہیں)

مولانا کے غصے سے میں بہت ڈرا کرتا تھا لیکن خدا کے فضل سے کبھی مورد عتاب نہیں بنا۔ ایک مرتبہ میں نے ان کے مرید خاص مولانا سرفراز کے خلاف ایک شرارت آمیز اشتہار نوٹس بورڈ پر چسپاں کیا جسے پڑھ کر بہت سوں نے لاحول پڑھا۔ سرفراز صاحب اس اشتہار کو لے کر مولانا کی خدمت میں پہنچے۔ اور میرا نام لے کر شکایت کی۔ مگر شاید مولانا اس اشتہار سے لطف اندوز ہوئے۔ اور مجھ سے باز پرس نہ کی۔

مولانا اپنے شاگردوں کی وضع قطع اور لباس میں شرعی تقاضوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ داڑھی کے بارے میں وہ مقدارِ قُبضہ میں کمی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دن ہمارے رفیقِ درس مولانا محمد زمان آفریدی نے داڑھی کے کچھ بال قینچی سے کاٹے تھے۔ مولانا کی جو نظر پڑی تو مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ہم سب حیران ہوئے اور آفریدی صاحب نے بھی مجبوراً اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جونہی اس کا ہاتھ مولانا کے قبضے میں آیا تو زور سے اپنی طرف کھینچ کر اس کی داڑھی پکڑ لی۔ اور پھر وہی گردانِ صغیر اور گردانِ کبیر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن اس تشدد اور تعصب کے باوجود مولانا تنگ نظر نہیں تھے۔ جدید رجحانات کی اندھا دھند مخالفت نہیں کرتے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں مولانا آزاد مرحوم کی کوششوں سے عربی مدارس کی کل ہند کانفرنس لکھنؤ میں ہوئی تھی مظاہر علوم کی نمائندگی مفتی سعید احمد صاحب مرحوم اور مولانا جمیل احمد صاحب نے کی تھی۔ مولانا آزاد کی تجویز تھی کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہئے نہ کہ عربی یا فارسی میں۔ کیونکہ اس سے بچے کے ذہن پر دوہرا بوجھ پڑتا ہے ایک تو اجنبی زبان کا سمجھنا اور دوسرے ان علوم کے مسائل سے واقفیت کرنا۔ مادری زبان میں تعلیم دینے سے ایک بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ ان کی ایک تجویز یہ بھی تھی کہ مغلق متون اور شرح جامی۔ قاضی اور حمد اللہ جیسے شروح کو نصاب سے خارج کر کے عام فہم کتابیں شامل کی جائیں۔ لکھنؤ سے واپسی پر مولانا جمیل احمد صاحب نے ان تجاویز کی مخالفت میں ایک زوردار مقالہ لکھا۔ ایک دن میں دفتر مدرسہ میں حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر تھا کہ مولانا تھانوی اپنے کاغذات ان کے پاس لے آئے اور اپنا مقالہ سنانے لگے۔ مولانا سنتے جاتے تھے اور لاحول پڑھتے جاتے تھے جس سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا تھا کہ انہیں مقالہ کے مندرجات سے اختلاف تھا۔

مولانا بلند پایہ ادیب تھے۔ متنبی اور حماسہ بڑے شوق سے پڑھایا کرتے تھے۔ متنبی کے پورے پورے قصائد وہ مقطع سے شروع کر کے مطلع کی طرف صحیح ترتیب کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔ متنبی نے ضبہ اور اس کی والدہ کو جس نظم میں ننگی گالیاں دی ہیں اکثر علماء اس نظم کو ثقاہت سے گرا ہوا سمجھ کر نہیں پڑھاتے۔ لیکن مولانا مرحوم اس نظم کے ہر لفظ کی معنوی تشریح بھی کرتے جاتے تھے اور لاحول بھی پڑھتے جاتے تھے۔ موقعہ اور محل کی مناسبت سے اردو اور فارسی کے اشعار بھی سنادیا کرتے تھے مگر ہم سب اس معاملے میں کور ذوق تھے ان سے لطف نہیں اٹھاتے تھے۔ جس سے مولانا مرحوم سخت دل گرفتہ ہو جاتے تھے۔ اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں نے اچھے شعر پر داد دیتے وقت بوتل توڑ دی تھی۔ بوتل میرے ہاتھ میں تھی۔ جو نہی شعر سنا ہاتھ زمین پر دے مارا۔ اور بوتل ریزہ ریزہ ہو گئی۔

مولانا الفاظ کے صحیح استعمال اور اعراب کا خاص خیال رکھتے تھے انہیں مانند سننا گوارا نہیں تھا فرمایا کرتے تھے صحیح لفظ مانند ہے (بفتح النون الدول) اسی طرح وہ شائق کا لفظ مشتاق کے معنی میں استعمال کرنا غلط سمجھتے تھے۔ وہ انہیں غلط العام نہیں غلط العوام سمجھتے تھے۔

مولانا حضرت حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت تھے اور تقویٰ کی شان نمایاں تھی۔ تکبر اور نخوت نام کو بھی نہیں تھی۔ طلبہ کی مشکلات اور تکالیف رفع کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ مولانا حمد اللہ صاحب ڈاگئی مردان کی جب ٹانگ ٹوٹ گئی تو شام کا وقت تھا۔ مولانا خود ہمارے ساتھ ہسپتال تک آئے اور ڈاکٹر سے مل کر طبی امداد مہیا کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

مظاہر علوم کا چمن ان چند ہستیوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ مفتی سعید احمد صاحب، مولانا منظور احمد صاحب اور مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب جیسی مقدس اور بابرکات ہستیاں تو پہلے ہی مالک حقیقی کے ہاں پہنچ گئی تھیں۔ اس قافلے کے آخری مسافر مولانا محمد اسعد اللہ صاحب تھے وہ بھی جوار رحمت میں پہنچ گئے۔

بقیہ: برطانیہ کی قسمت

ہی کی خاک پاک کا پیوند بننے کی جو آرزو لئے ہوئے آپ مستقلاً اسی خاک سے الگ بیٹھے ہیں ان باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا بہت ہی مشکل ہے کہ محض کچھ لوگوں کی دلداری کے لئے آپ اس ظلمت کدۂ فرنگ کے سفر پر آمادہ ہو گئے ہوں۔ بلکہ اس آمادگی کے پیچھے مشیت حق کا کوئی ایسا فیصلہ شاید کارفرما تھا جو اس ملک کے مسلمانوں یا خود اس ملک ہی کو کچھ دینے کے لئے کیا گیا ہو۔ ہماری دانست میں اس سرزمین پر یہ دس دن جس انداز اور کیفیت سے گزرے ہیں ایسے انداز اور ایسی کیفیت کا تجربہ اس سے پہلے اس سرزمین نے کبھی نہیں کیا ہو گا۔ اور لوگوں کے دلوں نے بھی نور حق اور رحمت حق برسنے کا ایسا تجربہ اس سے پہلے کبھی نہ کیا ہو گا۔

خدایا! ہمارا یہ حسن ظن اور حسن امید بیکار نہ جائے تو تعالیٰ قادر مطلق ہے جس سرزمین پر چاہے پھول کھلا سکتا ہے۔ ہم نے تیری رحمت کی بارش برستی ہوئی یہاں ان دنوں میں دیکھی ہے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ ضرور اس سرزمین کو نہال کرنے اور تیرے کلمے کو فروغ عطا ہونے کا باعث بنے گی۔

مولانا شرف الحق قادری صابری

حضرت مولانا شرف الحق قادری صابری کا سلسلۂ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے جد امجد شیخ بڈھن سرہند شریف اور بندہ بیراگی کے ظلم و ستم سے تنگ آکر ۱۷۱۱ء میں جملہ بزرگان نے دلّی کے لئے ہجرت فرمائی ان میں سے کچھ حضرات دلّی میں چرھے والی پہاڑی۔ بازار جیتلی قبر اور دیگر حضرات چوڑی والاں دلّی میں قیام پذیر ہوئے۔

حضرت مولانا موصوف کے والد یا جد قاری جلال الدین چشتی نہ صرف اپنے اعزا میں ہی بلکہ دلّی کے علمی ادبی طبقہ میں بھی قابل احترام مقام رکھتے تھے۔ جامع مسجد شاہی دلی کے امام جناب سید محمد صاحب سے آپ کے دیرینہ اور گھریلو مراسم تھے۔

محلہ چوڑی والاں دہلی میں گلی میگزین واقع ہے۔ جس میں دہلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کا شاہی اسلحہ خانہ تھا۔ ۱۸۵۷ء میں جب جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو اس علاقہ کے لوگوں نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قاری جلال الدین صاحب اور ان کے اعزا نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس مہم کی ناکامی کے بعد قاری صاحب کو بھی روپوش ہونا پڑا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مختلف مقامات اور لال قلعہ وغیرہ میں مقیم رہے۔ ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے جب عام معافی کا اعلان ہوا تو واپس اپنے گھر تشریف لے آئے۔ اسی لئے آپ کا تذکرہ بہادر شاہ ظفر کے مقدمہ کی فائل میں موجود ہے یہ مقدمہ نیشنل آرکائیوز دلی میں موجود ہے۔ انگریزوں کے ایک مخبر منشی تراب علی نے اپنے اس خط میں تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے انگریزی حکمرانوں کو لکھا تھا وہ تحریر کرتے ہیں؛

"قاری جلال الدین بہادر شاہ ظفر سے ملنے کی غرض سے روزانہ قلعہ معلیٰ جایا کرتا ہے۔ یہ شخص وہ ہے جو شاہی میگزین میں اسلحہ فراہم کرنے میں پیش پیش ہے۔"

قاری جلال الدین مرحوم کے پانچ صاحب زادے تھے۔ ان میں چار تو دہلی کے مشہور تاجر تھے اور پانچویں مولانا شرف الحق صاحب مرحوم نے علم دنیاوی و دینی کی تحصیل کی مسجد فتحپوری دہلی اور دیوبند میں علم دین حاصل کیا اور اینگلو عربک سکول

دلی میں حضرت مولانا حالی کے شاگرد رہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے صحاح ستہ کی تکمیل کی۔ اور ہندی و سنسکرت میں مولانا رحیم بخش کے معتقد پنڈت درگا پرشاد سے تعلیم حاصل کی۔ عبرانی و یونانی حکیم عبدالمجید خان صاحب زیر علاج ایک یہودی عالم سے سیکھیں۔ جنھوں نے آپ کو تحریری سند دی یہ تحریری سند عبرانی زبان میں تھی جس کے حاشیہ میں اردو ترجمہ حکیم اجمل خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جس پر عبرانی زبان میں ہی اُس یہودی عالم کے دستخط ثبت ہیں۔ آپ نے پشتو زبان مولانا عبدالحکیم افغانی سے اور ترکی مولانا ابوالخیر سے حاصل کی۔ الغرض آپ ۲۵ سال کی عمر میں عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ سنسکرت۔ ہندی۔ عبرانی و یونانی، پشتو اور ترکی وغیرہ آٹھ زبانوں کے ماہر ہو گئے۔

ان تمام علوم کے باوجود آپ کو ایک رہبر کامل اور فن مناظرہ کے امام کی تلاش و جستجو تھی۔ آپ امام المناظر حضرت مولانا رحمت اللہ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے ردّ نصاریٰ کے کارناموں سے واقف تھے۔ چنانچہ آپ ۱۳۰۵ھ میں عازم حج بیت اللہ ہوئے۔ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ تین ماہ تک شب و روز خدمت میں حاضر رہے۔ حضرت مولانا نے آپ کی خداداد قابلیت کو دیکھ کر ردِ نصاریٰ کے مناظرے کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور آپ کو بناتی پاجامہ جو کہ سلطان عبدالحمید نے آپ کو بطور خلعت عطا فرمایا تھا وہ حضرت مولانا اشرف الحق صاحب مرحوم کو دے دیا اور اپنی تصانیف میں سے اظہار عیسوی ازالۃ الشکوک اور اظہار حق بزبانِ عربی اور فرانسیسی تبرکاً عنایت فرمائی۔

آپ نے مکہ معظمہ میں جہاں علوم کو ظاہری کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا وہاں آپ نے علوم باطنی کی راہ بھی طے فرمائی اور حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے وہاں بیعت کی۔ جن کی جانب سے آپ کو خرقۂ خلعت عطا ہوا۔

اس زمانہ میں مذہب کا دور دورہ تھا۔ گلی گلی میں کوچوں کوچوں میں پادری نصرانیت کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔ محکوم ہندو مسلمان قوموں کو اپنے مذہب کی فکر لاحق تھی۔ یہ لوگ بھی بغل میں پوتھیاں دبائے گلے میں حمائل ڈالے ہوئے اپنے دھرم اور مذہب کی عظمت کا ڈنکا بجانے میں مصروف تھے کوئی دن ایسا گزرتا ہوگا جب کوئی مناظرہ نہ ہوتا اور ہر روز اکھاڑے جمتے تھے۔ جس مذہب کی حکومت ہے وہ اپنے مذہب کو عروج دینے کی کوشش کرتی ہے اور یہ مصدقہ بات ہے کہ حکومت اپنے مبلغین کو سہولت فراہم کرتی ہے چنانچہ یہی صورت عیسائی پادریوں کی تھی حکومت ان کا خاص خیال رکھتی تھی۔ محکوم قومیں ان تمام مراعات سے محروم تھیں لیکن ہر وقت مذہبی کاموں کے لئے امداد دینے کے لئے مستعد نظر آتی تھیں۔

یوں تو مولانا اشرف الحق نے ہندوستان کے ہر گوشے میں سینکڑوں مناظرے ہندوستان کے مشہور و معروف پادری فرنیچ

پادری لیفرائے - پادری پیٹر وبیر - پادری ڈیوڈ سن - پادری وکیٹ - پادری ڈیون - پادری ولیمڈ - پادری ڈبنٹر - پادری ڈیوڈ - پادری برائٹ
پادری ہنری - پادری جانسن - پادری ونسل - پادری لونگ - پادری ڈیوٹن پادری وکار لائن - پادری ایم - جی گولڈ سمتھ -
پادری روفس - پادری جے سمول - پادری پیٹرک وغیرہ سے ہوئے - لیکن ان میں پانچ مناظرے بہت اہمیت کے حامل ہیں
غازی پور مشن سکول میں ۸ مارچ ۱۸۸۵ء کو دن کے تین بجے پادری روفس سے مناظرہ ہوا - پادری نے تین گھنٹے کی
بحث کے بعد لاجواب ہو کر آخر میں تین ہزار افراد کے مجمع میں اعتراف شکست ان الفاظ میں کیا -

"ہم میں اس قدر علم ولیاقت نہیں ہے کہ مولانا صاحب سے مقابلہ کر سکیں - مولانا صاحب نے ہمارے
مذہب میں ایسی تحقیق اور وسیع معلومات حاصل کی ہیں جس کے لئے مولانا موصوف آفرین اور صد آفرین
ہیں "

۱۸۹۱ء میں مسجد شاہی فتحپوری دلی میں مولانا صاحب کا لارڈ بشپ جے ای لیفرائے سے مناظرہ ہوا - دلی اور اطراف
دلی میں اس مناظرے نے ایک ہلچل مچادی تھی - جس کی وجہ یہ تھی کہ پادری صاحب اور مولانا صاحب کے درمیان یہ طے ہوا
تھا کہ جو شخص مناظرہ میں ہار جائے گا وہ مجمع عام میں اپنی شکست کا اعتراف کرے گا اور شکست نامہ لکھ کر دے گا - نیز ہارنے
والا مقابل کے مذہب کو اختیار کرے گا -

اس مناظرے میں آگرہ - علی گڑھ - میرٹھ اور سہارنپور کے معززین مشاہیر کرام علمار کرام اور مشائخ - مسیح الملک حکیم
اجمل خان صاحب اور ان کے خاندان کے بزرگ حکیم احمد سعید خان صاحب حکیم غلام محمود صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب مصنف
تفسیر حقانی وغیرہ حضرات نے شرکت فرمائی - دیگر اضلاع سے عیسائی حضرات نے بھی شرکت کی - مناظرہ شروع ہوا - پہلے دن
بیس پچیس ہزار سے مجمع کسی طرح کم نہ تھا پہلے دن کی عالمانہ و مدلل بحث نے شہر میں آگ لگا دی تھی - دوسرے دن کے مناظرے
میں یہ تعداد دوگنی ہو گئی - مناظرہ کا آغاز ہوا - ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ مولانا شرف الحق صاحب نے اپنے مد مقابل لیفرائے
کو شکست دے دی - اس نے حسب وعدہ اپنے مذہب کو نہیں بدلا - لیکن یہ تسلیم کیا کہ واقعی انجیل میں تحریف ہوئی ہے - اور
حسب ذیل شکست نامہ لکھ کر دیا -

میں اقرار کرتا ہوں کہ لوقا کی انجیل شریف کے ترجمے اور اس کے علاوہ اصلی نسخوں میں جو اس وقت موجود ہیں
اس میں چند آیتیں غلط ہیں اور بھول سے داخل کی گئی ہیں - یہ بات سب سے قدیم نسخوں - ٹریکٹوں کے ملانے
سے معلوم ہوئیں وہ آیتیں ان میں موجود نہیں ہیں - لہذا میں اسی انجیل کی باتیں سچی مانتا ہوں - مستشرقین شعرار
کے قول انجیل میں ملے ہوئے ہیں " (دستخط جی - اے - لیفرائے)

مناظرہ حیدرآباد۔ مباحثہ پونا اور مناظرہ ہنگنکنڈہ بھی آپ کے تاریخی مناظرے ہیں جن سے پادریوں کے وقار کو بڑا دھکا لگا۔ پادری آپ کا نام سنتے تو مناظرہ کرنے سے گریز کرتے تھے۔

بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو پادریوں کے پھندے میں پھنس جاتے اور اپنا مذہب بدل کر عیسائی مذہب اختیار کر لیتے۔ آپ کو اس کی اطلاع ہوتی تو آپ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ ان کو عیسائی مذہب چھڑوا کر سابقہ مذہب اختیار نہیں کر لیتے تھے۔

چنانچہ بڑے بازار ہزاری باغ میں ایک دو منزلہ مکان کی پہلی منزل میں عبدالغنی بنگالی رہتے تھے۔ دوسری منزل پر پادریوں کے مشن کا دفتر تھا۔ قریب ہونے کی وجہ سے عبدالغنی کی لڑکی قمرالنساء جس کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی۔ پادریوں سے تعلیم حاصل کرنے لگی۔ پادریوں نے اس پر اپنا رنگ چڑھایا۔ اور پانچ چھ برس تک اس کے ذہن پر نصرانیت کی فوقیت جمائی نو عمر لڑکی تھی ان کے پھندے میں پھنس گئی۔ جب پادریوں نے دیکھا کہ اب شکار جال میں پھنس گیا ہے تو انہوں نے اس کو اپنے گھر سے نکال کر گرجا میں پہنچا دیا۔

عبدالغنی کو جب اس شرارت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے ہمسائے پوسٹ ماسٹر عباس بہاری سے ذکر کیا تو انہوں نے پولیس کو اطلاع کرائی۔ اس وقت مسٹر گائی کرشان سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا جو پادریوں کے مشنری کاموں سے دلچسپی اور ہمدردی رکھتا تھا۔ اس نے اس رپورٹ پر کوئی کارروائی نہ کی۔ عبدالغنی کو کسی نے بتایا کہ اٹکی میں مولانا اشرف الحق صاحب آئے ہوئے ہیں جن کے نام سے پادریوں اور مشنریوں کی روح قبض ہوتی ہے۔ ان کو بلاؤ۔ لڑکی کو وہی پادریوں کے قبضے سے نکال سکتے ہیں۔

عبدالغنی اٹکی گئے۔ ان کی درخواست مولانا نے منظور کر لی اور ہزاری باغ آئے سیدھے گرجا گھر پہنچے۔ وہاں پر ڈاکٹر ہبرل۔ مس ہیری اور مس جبلیٹ مشنری کلم کی انچارج تھیں۔ ان سے ملے اور ان کو ان کی زیادتی پر تنبیہ کی اور اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم کو بھی اپنے مذہب میں شامل کر لو۔ ورنہ تم مذہب اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اس بات کے فیصلہ کے لئے مناظرہ ہونا طے پایا اور یہ بھی کہ لڑکی بھی مناظرہ سنے۔

مناظرہ ہوا ہزاری باغ کے ہزاروں عیسائی اور مسلمان جلسے میں آئے۔ آخر دلائل سے مجبور ہو کر پادریوں کو لاجواب ہونا پڑا۔ اور ماننا پڑا کہ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس فضا میں لڑکی کو کچھ جرأت ہوئی اس نے اپنے خیال کے مطابق سوالات کئے اور اطمینان بخش جواب سننے کے بعد وہ بھی اس جلسہ میں مسلمان ہو گئی۔ مسلمان ہونے کے بعد شادی کا مسئلہ سامنے آیا۔ اس وقت وہ ۱۸۔۱۹ سال کی تھی۔ مولانا نے اعلان کیا کہ کون ان سے شادی کرتا ہے جب نام کافی آ گئے تو قرعہ اندازی کی گئی۔ جس میں

ایک شخص کریم الدین احمد لائن کانسٹیبل ہزاری باغ کا نام ان کے دوستوں نے مذاقاً دے دیا تھا۔ قدرتی بات اس کا نام قرعہ میں آگیا اور شادی ہوگئی۔ یہ تمام کارروائی دو دن اور دو راتوں میں مکمل ہوئی۔ آخر دوسری رات کو پادری نے ۳ بجے اپنی شکست تسلیم کرلی۔ ازاں بعد اس عقد کی تکمیل ہوئی۔

مولانا شرف الحق صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ تبلیغ اسلام کے ساتھ اصلاحی کاموں میں گزرا۔ بُری رسموں کے خلاف آپ نے بے پناہ کوشش کی۔ سماجی حالات کو بہتر بنانے کی پوری جدوجہد کی۔ شراب نوشی کے خلاف ایک زبردست مہم چلائی جس میں آپ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بہت سے ضلعوں کو آپ نے اس تباہ کن لعنت سے پاک کیا۔ لہردگہ۔ رانچی میں محمد علی صاحب عرف ممدو اور ان کے صاحبزادے منشی عبد القادر صاحب ایک معزز و مقتدر حیثیت کے مالک تھے۔ یہ زمانہ ۱۹۰۰ء کا ہے مولانا نے لہردگہ میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین شروع کی۔ آپ کی جادو بھری، مؤثر والہانہ۔ مدلل و مبسوط تقریروں کا پورے قصبہ میں چرچا تھا۔

محمد علی نے اپنے صاحبزادے کو ہدایت کی کہ وہ بھی مولانا شرف الحق صاحب کا وعظ اپنے یہاں کرائیں چنانچہ آپ کو مدعو کیا گیا جب منظور فرمالیا تو واقف اور معتمد لوگوں نے آگاہ کیا کہ جس کے ہاں وعظ ہے وہ ضلع رانچی کی شراب کی بھٹیوں کا ٹھیکیدار رہے۔ مولانا دعوت میں پہنچ گئے اور وعظ شروع کیا جب منشی عبد القادر صاحب عطر کی شیشی لے کر مولانا کو لگانے کے لئے آگے بڑھے اور چاہتے تھے کہ عطر لگائیں تو آپ نے ان سے پُرجلال اور رعب دار لہجہ میں کہا۔

”خبردار ہاتھ آگے مت بڑھاؤ۔ عطر کی صورت میں میرے لباس کو شراب کی غلاظت سے غلیظ کرنا چاہتے ہو“

ان فقروں سے جلسہ گاہ میں حیرت و تعجب کا عالم چھا گیا۔ منشی عبد القادر صاحب اور ان کے والد خاموش تھے۔ محفل میں سکتہ کا عالم تھا۔ دو منٹ کے بعد ان لوگوں نے توبہ کی۔ مولانا اور دیگر حاضرین محفل نے مسرت اور شادمانی کے ساتھ عطر لگایا۔ اسی وقت محمد علی صاحب نے پورے ضلع کی شراب کی بھٹیوں کو توڑ دینے کا حکم دے دیا۔ تین ماہ ٹھیکے کی مدت باقی تھی جس میں نفع ہی نفع تھا۔ اس کو ٹھوکر ماردی اور اس کے بعد آج تک اس خاندان نے اس فعل شنیعہ اور قبیحہ کی طرف رخ نہیں کیا۔

قصبہ الکی کی پوری آبادی بھی کلال پورہ بنی ہوئی تھی۔ تقریباً ہر مسلمان شراب فروخت کرتا تھا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتا تھا۔ مولانا شرف الحق صاحب وہاں بھی پہنچے۔ آپ نے لوگوں کو تلقین کی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور تمام قصبے کے مسلمانوں نے توبہ کی اور ہر ایک آدمی نے بھٹیوں کو توڑا۔ اور حلال کے کاروبار کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ چنانچہ اس وقت مسلمانوں کے جتنے گھر ہیں وہ تقریباً سب کے سب مولانا کے مرید ہیں اور شریعت کے پابند ہیں۔

سلطان عبد الحمید خان نے ایک ملاقات میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے کہا تھا کہ انگریزوں نے ہندوستان

پر کس طرح قبضہ کیا تھا۔ اس کے حالات مجھے چاہئیں۔ چنانچہ جب مولانا شرف الحق صاحب نے ۱۳۰۵ھ کو پہلے حج میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب سے ملاقات کی اور ان کے پاس مقیم ہوئے تو اس وقت انہوں نے اس کام کے لئے ڈیوٹی لگائی کہ تم ہندوستان جاکر یہ حالات لکھ کر بھجوا دینا۔ چنانچہ یہ کام انہوں نے انجام دیا۔

اس بات کا علم حکومت برطانیہ کے حکمرانوں کو ہوگیا۔ پوری معلومات حاصل ہوگئی تھیں ماہ شبہ کی وجہ سے آپ کے خلاف ڈیرہ دون میں تقریر کرنے کے سلسلے میں مقدمہ چلانے کی تجویز ہوئی تھی۔ تفتیش دہلی کی پولیس نے کی۔ یہاں کے معززین نے داخل دفتر کرادیا۔

مولانا شرف الحق صاحب نے مصر میں ایک نیم سیاسی اور نیم مذہبی تقریر کی تھی۔ مصر سے تفتیش کے کاغذات دہلی آئے تو دہلی پولیس نے تفتیش شروع کی تو دہلی کے معزز حضرات نے اپنے یہاں مولانا شرف الحق صاحب کے حق میں بیانات قلم بند کرائے جس میں حکیم عبدالمجید خاں بھی شامل تھے یہ مقدمہ سنگین تھا لیکن دہلی پولیس نے اپنی رپورٹ مصری حکومت کو آپ کے حق میں بھیجی تھی جس کی بنا پر یہ مقدمہ بھی داخل دفتر کردیا گیا۔ تیسرا مقدمہ سودیشی تحریک کے سلسلہ میں چلا۔ جسے استغاثہ کے گواہ عدالت میں پیش نہ ہونے کی وجہ سے عدالت نے خارج کردیا تھا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے دہلی اور کیرانہ میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں شرکت کی اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں شامل ہوئے تھے۔ ان حضرات نے جنگ آزادی میں انگریزوں کا بھرپور مقابلہ کیا تھا۔

جنگ کی ناکامی کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب ہجرت کرکے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور وہیں مقیم ہوگئے۔

حضرت مولانا شرف الحق ان انقلابی رہنماؤں سے قریبی تعلق اور مقدمات کی وجہ سے حکومت کی نظروں میں کھٹکتے تھے۔ سرکار نے آپ کی سخت نگرانی شروع کردی تھی۔ سی آئی ڈی سائے کی طرح پیچھے لگی رہتی تھی۔ کبھی مرید کی شکل میں اور کبھی مہمان بن کر رہتی تھی۔

۱۹۳۰ء میں بہار کے ایک صاحب مرید ہونے کے لئے ٹاٹ کے کپڑے پہنے ہوئے گھر پر آئے ذکر و اذکار میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ مکان کے چھوٹے کمرے پر ٹھہرے آخری دنوں میں اتفاقیہ طور پر ان کی عدم موجودگی میں راقم الحروف چھوٹے کمرے میں پہنچا۔ ان کے بستر کے نیچے ایک ڈائری کا کونہ مجھ کو نظر آیا۔ اس کو اٹھایا۔ کھولا تو دیکھا کہ روزانہ کے والد صاحب کے قول و افعال قلم بند کئے ہوئے تھے اور جو لوگ والد صاحب سے ملنے آتے تھے ان کے نام درج تھے اور ایک صفحہ پر

خاص ریمارک لکھا ہوا تھا۔

"مولانا بہت گہرے اور سازشی ہیں"

یہ ڈائری میں نے اپنے قبضہ میں کی۔ والد صاحب کو دکھائی تو ہنس دیئے اور کہا کہ رکھ آؤ۔ جو کام اس کے کرنے کا ہے اسے کرنے دو۔ میں نے ان کے ارشاد و حکم کے مطابق وہ ڈائری اس کے بستر کے نیچے رکھ دی۔ وہ حضرت کچھ دن اور رہے اور پھر چل دیئے اس کے بعد ان کا کوئی پتہ نہیں لگا۔

حضرت مولانا شرف الحق صاحب کا وصال ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء کو ہوا۔ اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کی لائبریری میں کافی علمی ذخیرہ ہے جس میں عبرانی۔ پشتو۔ ترکی۔ سنسکرت۔ ہندی۔ عربی۔ انگریزی اور اردو کی کتابیں۔ ڈھائی تین ہزار قلمی کتابیں اور ۱۹۲۳ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک کے تین سو اخبارات اور رسائل موجود ہیں اور تذکروں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔

مولانا شرف الحق صاحب حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب۔ مولانا محمد حسین الہ آبادی۔ مولانا انوار اللہ شاہ صاحب حیدر آبادی۔ مولانا حسرت موہانی۔ مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی۔ حکیم اجمل خان۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور بال گنگا دھر تلک۔ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب سے قریبی تعلقات تھے۔ ان حضرات کے ساتھ آپ مختلف شہروں میں گئے وہاں تقریریں کیں اور سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیا۔

ایسی اولوالعزم ہستی جس کی وجہ سے عیسائی مشنریوں کی شرارتوں کا ملک میں خاتمہ ہو گیا اور ہندوستانیوں کے مذہب اور دھرم قائم رہ گئے ہوں ان کی سوانح عمری نہ لکھی جاتے تو اچھی بات نہیں تھی۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میں نے اپنے والد محترم حضرت العلامہ مولانا شرف الحق صاحب قادری صابری کے حالات زندگی پر "داستانِ شرف" کے نام سے ایک مبسوط و جامع کتاب تالیف کی ہے۔

حضرت والد ماجد قبلہ کی پیدائش ۱۸۶۳ء کی ہے۔ پوری صدی گزر چکی ہے۔ اس لئے ان کی ایک صدی کی تقریبات منانے کے لئے ہندو پاکستان میں علمی۔ ادبی۔ صحافی حضرات کا بہت عرصہ سے تقاضا تھا۔ "داستانِ شرف" بھی مکمل نہیں ہوئی تھی اس کی تکمیل کے بعد احباب کی محفل میں طے ہوا کہ ۹ ستمبر ۱۹۶۹ء کو دہلی میں یہ تقریبات منائی جائیں جس میں ہند و پاک کے علمی، ادبی و صحافی حضرات کو مدعو کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھ چکے ہیں۔ انشاء اللہ یہ تقریبات شاندار طور پر منائی جائیں گی۔
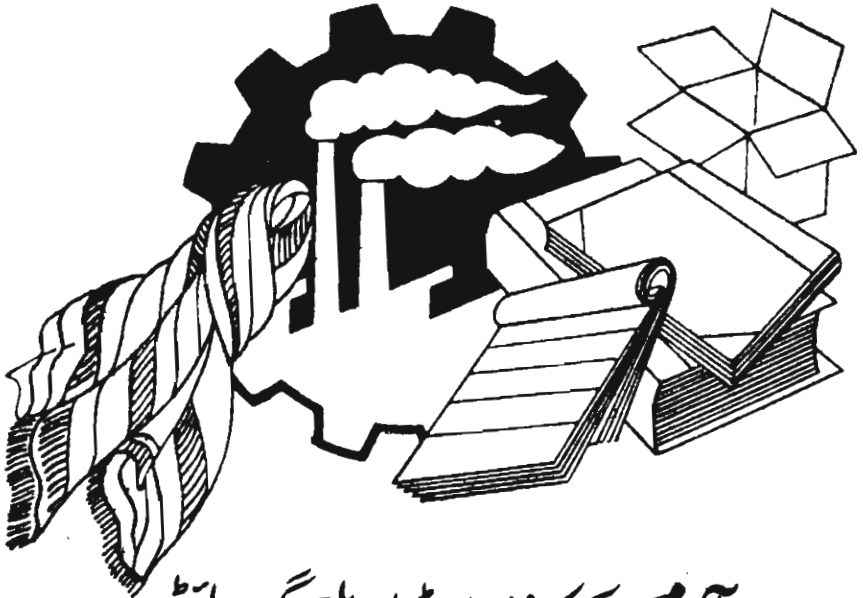
۷۵۳

تعارف و تبصرۂ کتب

اسلامی دستور کے بنیادی اور رہنما اصول

تالیف : مفتی عزیز الرحمٰن

ناشر : مکتبہ رحمانیہ - ۱۸ - اردو بازار - لاہور

صفحات ۳۸۰ قیمت ۲۷ روپے

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی بے نظیر تالیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھا ہے کہ تمام شریعتوں کی بنیاد شعائر الٰہی کی تنظیم پر ہے اور اسلام کے چار بڑے شعار قرآن مجید - کعبۃ اللہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور نماز ہیں -

جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے اِن چار شعائر کی تفصیل و تشریح زیر نظر کتاب میں کی ہے۔ انہوں نے علیحدہ علیحدہ ان چار چیزوں کی عظمت دکھائی ہے اور اس کے بعد بتایا ہے کہ ان چار چیزوں پر اسلامی شریعت کس طرح ہے اور شریعت کے ہر حکم سے ان کا کیا ربط و تعلق ہے -

قرآن مجید پر لکھتے ہوئے جہاں انہوں نے اس کی تدوین و ترتیب پر روشنی ڈالی ہے اور جدید مغرب زدہ اہل قلم کی غلط فہمیاں دور کی ہیں وہیں اسلام کے نظام حکومت اور حرمت سود پر بحث کی ہے -

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے سلسلے میں "سنّت" پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور اسلام کے قانون جُرم و سزا پر مختصراً روشنی ڈالی ہے - خانۂ کعبہ اور نماز پر لکھتے ہوئے نماز کی اجتماعیت سے مؤلف کا ذہن "اجماع" کی طرف منتقل ہوا - اور بات بڑھتے بڑھتے قیاس پر پہنچی - اس ضمن میں بہت سے اہم فقہی معاملات زیر بحث آئے ہیں -

جناب مؤلف نے اس تالیف میں احکام و فرائض سے متعلق اپنے فتاویٰ کا خاصا حصہ یک جا کر دیا ہے - اگرچہ براہ راست ان کا موضوع سے تعلق نہیں بنتا - بات سے بات نکلتی گئی اور قیمتی معلومات بکھرتی چلی گئی ہیں -

پہلی نظر میں کتاب کے عنوان سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ اس میں اسلام کے نظامِ مملکت (دستور) کے بارے میں بنیادی اور رہنما اصول بیان کئے گئے ہوں گے - مگر کتاب کا موضوع اسلام کے دستورِ زندگی کو محیط ہے -

مکتبہ رحمانیہ نے اس کتاب کے اولین مطبوعہ ایڈیشن کا عکس لیا ہے اور خوبصورت نیز مضبوط جلد کے ساتھ اہل نظر کے سامنے پیش کیا ہے -

(اختر راہی)

دار العلوم حقانیہ کے شب و روز

شفیق فاروقی

■ رمضان المبارک میں حضرت الحدیث مدظلہ کی صحت عمومی طور پر بہتر رہی ضعف ونقاہت کے باوجود تمام روزے بھی مکمل فرمائے اور تراویح میں مکمل قرآن مجید بھی سن لیا۔ بعد از تراویح حاضرین کو درس پندرہ منٹ مواعظ و نصائح سے بھی نوازتے رہے۔ قرآن مجید صاحبزادہ حافظ مولانا انوار الحق نے سنایا۔

۲۶ رمضان دفتر الحق میں سہ روزہ شبینہ قرآن مجید شروع ہوا۔ حافظ امان اللہ صاحب متعلم دار العلوم صاحبزادہ مولانا محمد ہارون مدرس دار العلوم نے منزل سنائی۔

۲۷ رمضان مولانا حافظ عبداللہ کاکاخیل جو اس وقت نائیجیریا میں اسلامی خدمات انجام دے رہے ہیں، تشریف لائے اور دو ایک دن مدیر الحق کے ساتھ قیام فرمایا اور ایک شب شبینہ قرآن میں چند پارے بھی سنائے۔

۲۹ رمضان — مولانا سمیع الحق، حضرت مولانا محمد اسرائیل صاحب بانیٔ دار العلوم نعمانیہ اتمانزئی کی تعزیت اور فاتحہ خوانی کے لئے اتمانزئی تشریف لے گئے اور مولانا روح اللہ صاحب سے تعزیت کی وہاں سے آپ نے مجاہد آباد عمرزئی جاکر حضرت حاجی محمد امین صاحب مجاہد مرحوم کی اہلیہ محترمہ کی وفات پر مرحوم کے صاحبزادگان سے تعزیت کی مولانا عبداللہ کاکاخیل اور مولانا قاضی فضل دیان عمرزئی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

■ یکم شوال المکرم۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے عیدگاہ اکوڑہ خٹک میں حسب معمول نماز عید سے قبل وعظ نصیحت پر مشتمل خطاب فرمایا۔ مجمع ۱۵ — ۲۰ ہزار کے لگ بھگ تھا۔ نماز کے بعد ہزاروں افراد نے حضرت سے مصافحہ کیا اور تبریک عید پیش کی۔

■ ۲ شوال۔ عید مبارک کے سلسلہ میں آنے والے بیشمار افراد میں افغانستان میں برسرپیکار مجاہدین کے امیر حضرت مولانا محمد یونس خالص امیر حزب اسلامی افغانستان بھی تبریک عید اور زیارت کے لئے حضرت مدظلہ کے ہاں تشریف لائے، موصوف حضرت شیخ الحدیث کے خاص تلامذہ میں سے ہیں اور اس وقت پکتیا وغیرہ کے محاذوں پر خود مجاہدین کی کمانڈ کرتے رہے ہیں۔

فوّارہ مارکہ
اعلیٰ قسم کا
سُوتی دَھاگہ
سنگل اور فولڈڈ
۱۰ کاؤنٹ سے ۴۰ کاؤنٹ تک
ہینکس کے علاوہ کونز پر بھی دستیاب ہے
FOUNTAIN BRAND
تیار کنندگان:
ڈی۔ایم۔ٹیکسٹائل مِلز لمیٹڈ
رجسٹرڈ آفس: ١١٩۔ کاٹن ایکسچینج بلڈنگ ۔ پوسٹ بکس نمبر ٦١٧٤ ــــ کراچی
تارکا پتہ: DOSTCOT ــــ فون ۔ ٢٣١٣٣٠ - ٢٢٣٩١٣
ملز: سنی چھاؤنی ۔ پوسٹ بکس ٥٢ ــــ راولپنڈی
تارکا پتہ: FINETEX ــــ فون ۔ ٩٢٧٥٥ - ٦٦٩٣٢ - ٦٢٧٨٥
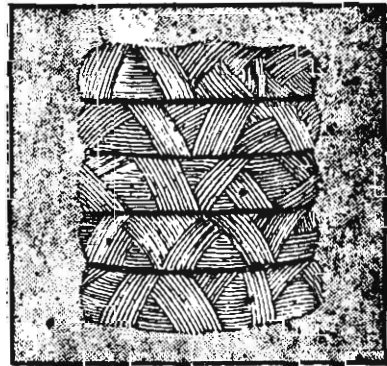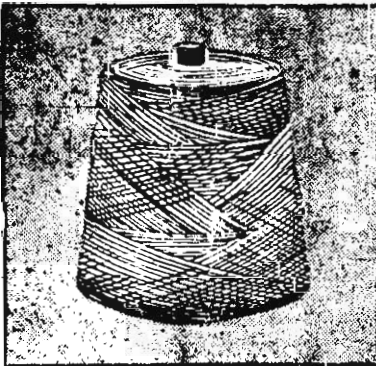
بلند ہمّت
جوانوں کی پسند
اجالا ڈینم
اور
صدف شرٹنگ
دل جوانوں کا ذوقِ زیبائش
جن کے دم سے رونق اور چہل پہل ہے۔
MADE OF
Toray
TETORON
POLYESTER FIBER
محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
MFTM-5-77
Asiatic

نائٹروجنی کھادوں
میں
ببّر شیر یوریا
کا
مقام
ببّر شیر یوریا کی خصوصیات
★ ہر قسم کی فصلات کے لئے کارآمد۔ گندم، چاول، مکّی، کماد، تمباکو، کپاس اور ہر قسم کی سبزیات، چارہ اور پھلوں کے لئے یکساں مفید ہے
★ اس میں نائٹروجن ۴۶ فیصد ہے جو باقی تمام نائٹروجنی کھادوں سے فزوں تر ہے۔ یہ خوبی اس کی قیمت خرید اور باربرداری کے اخراجات کو کم سے کم کر دیتی ہے۔
★ دانہ دار (پریلڈ) شکل میں دستیاب ہے جو کھیت میں چھٹہ دینے کے لئے نہایت موزوں ہے۔
★ فاسفورس اور پوٹاش کھادوں کے ساتھ ملا کر چھٹہ دینے کے لئے نہایت موزوں ہے
★ ملک کی ہر منڈی اور بیشتر مواضعات میں داؤد ڈیلروں سے دستیاب ہے۔
داؤد کارپوریشن لمیٹڈ
(شعبۂ زراعت)
الفلاح۔ لاہور
فون نمبر — 57876 — سے — 57879

REGD-NO.P-90